

رسالہ شیخ شہاب الدین ابن جہل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب ستائش اللہ کے لئے ہے جس کی شان بڑی اور جس کی حجت و قدرت قوی اور جس کا تصرف غالب اور جس کی عظمت و بزرگی ظاہر ہے، وہ ہر چیز سے بے نیاز اور ہر چیز اسی کی محتاج ہے۔ کائنات کی ہر چیز کا سہارا اسی پر ہے۔ اس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روشن راہ راست اور شریعت واضح دے کر بھیجا، بس حضرت نے اوضح براہین پیش کیں اور سالکوں کا راستہ روشن کر دیا اور خدا تعالیٰ کے لئے صفات جلال بیان فرمائیں۔ اور اس ذات پاک سے ایسی صفات کی نفی کر دی جو شایان کبریا و کمال نہ تھیں۔ سو اللہ کبیر متعال برتر ہے اس سے جو گمراہ لوگ بتاتے ہیں۔ عرش اس کو اٹھائے ہوئے نہیں، بلکہ عرش اور اس کے اٹھانے والے اس کی لطیف قدرت سے محمول اور اس کے قبضہ قدرت میں مقہور و مغلوب ہیں، اس نے علم سے ہر شے کو گھیرا ہوا ہے اور ہر چیز کو خوب گنا ہوا ہے۔ وہ دلوں کے دوساں اور خواطر کی حرکات سے آگاہ ہے۔ اس کی شان کیسی بڑی اور اس کی حجت و قدرت کیسی غالب و قوی ہے! آسمان و زمین والے اس سے سوال کرتے ہیں کیونکہ اس کے محتاج ہیں۔ وہ ہر روز کسی نہ کسی کام میں ہوتا ہے، کیونکہ اس پر قادر ہے۔ اور درود و سلام ہو سیدنا محمد ﷺ پر جو خدا کے پیغمبروں میں سب سے اخیر اور اس کی خبریں پہنچانے والے ہیں اور آپ کے آل و اصحاب پر۔

اما بعد! اس رسالے کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ ان ایام میں بعض (ابن

تیمیہ) نے لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جنت و طرف ثابت ہے۔ اس کی تحریر سے ایسے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے جن کے قدم تعلیم میں راسخ نہیں۔ وہ معرفت کے دامن کو پکڑے ہوئے ہیں، نہ فہم کی لگام نے انہیں روکا ہوا ہے اور نہ وہ نور حکمت سے دیکھنے والے ہیں۔ اس لئے میں نے چاہا کہ پہلے اہل سنت و جماعت کے عقیدے کا ذکر کروں۔ پھر اس تحریر کا فاسد ہونا بیان کروں، باوجودیکہ اس نے کوئی دعویٰ ایسا نہیں کیا جسے اس نے خود ہی نہ توڑا ہو اور کوئی قاعدہ ایسا نہیں بنایا جس کو اس نے خود ہی نہ گرایا ہو۔ بعد ازاں اس مسئلہ میں عقیدہ اہل سنت و امور متعلقہ کو دلائل سے ثابت کروں۔ لیجئے میں اس سے پہلے ایک مقدمہ ذکر کرتا ہوں جس سے اس مسئلے پر روشنی پڑے گی۔

مذہب حشویہ مسلک سلف صالحین

حشویہ کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق تو حشویہ ^(۱) (تجسیم و تشبیہ) کے ظاہر کرنے میں پہلو تہی نہیں کرتا۔ دوسرا فریق حرام کے کھانے یا متاع دنیا کے حاصل کرنے کے لئے یا کسی نفسانی خواہش پر نالائق جاہلوں اور نااہل کمینہ لوگوں کو آمادہ و متفق کرنے کے لئے مذہب سلف کی آڑ لیتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ شیطان کی عادت بجز خذلان امت محمد ﷺ نہیں ہے۔ اسی واسطے وہ فریق عوام کے دلوں کو بدعت و گمراہی ہی پر متفق و آمادہ کرتا ہے۔ جس سے ان کا دین برباد اور یقین بگڑ جائے۔ تواریخ میں سننے میں نہیں آیا کہ ابلیس (خدا اسے خوار کرے!) نے خوارج یا رافضہ یا ملاحدہ یا قرامطہ ^(۲) کے سوا کسی اور کو متفق کیا ہو۔ رہے اہل سنت و جماعت۔ سو وہ اللہ کی کتاب مبین اور اس کی جبل متین کے سوا کسی امر پر متفق نہیں ہوتے۔ دوسرے فریق میں ایسے اشخاص ہیں جو

مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین پر جھوٹ تھوپتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا بھی وہی قول تھا جو ہمارا ہے۔ یہ لوگ اگر زمین کی پڑی کی مقدار بھی سونا خرچ کر ڈالیں۔ تو ایسا نہیں کر سکتے کہ ان سابقین کی نسبت ایک کلمہ بھی ثابت کر دیں جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتا ہو۔ اس فریق کا سلف کی آڑ لیتا اپنی ریاست کی حفاظت اور متاع دنیا کی تحصیل کے لئے ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ یہ لوگ ریاء و زہد سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اور لید کو اندود اور بیت الخلاء کو سفیہ بناتے ہیں اور ذرہ میں زہد کرتے ہیں، تاکہ بڑا موتی ہاتھ آئے۔ اور لوگوں پر اپنا عابد ہونا ظاہر کرتے ہیں، حالانکہ دینار پر لٹو ہیں۔

مذہب سلف تو توحید و تنزیہ تھا، نہ کہ تجسیم و تشبیہ، اہل بدعت خیال کرتے ہیں کہ وہ مذہب سلف پر ہیں۔

وکل یدعون وصل لیلی
ولیلی لا تقرلہم بذاکا

(ہر ایک لیلی کے وصل کا دعویٰ ہے، مگر لیلی ان کے حق میں اس بات کا اقرار نہیں کرتی)
سلف کی نسبت یہ کس طرح اعتقاد ہو سکتا ہے کہ وہ تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے، یا بدعتیوں کے ظہور کے وقت وہ چپ ہو رہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۴۲) ”اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور یہ کہ چھپاؤ سچ کو جان کر۔“ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (آل عمران: ۱۸۷) ”اور جب اللہ نے اقرار لیا کتاب والوں سے کہ

اس کو بیان کرو گے لوگوں کے پاس اور نہ چھپاؤ گے۔“ اور یہ بھی کلام الہی ہے۔
 لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴) ”کہ تو کھول لوگوں کے پاس جو اترا
 ان کی طرف۔“ صحابہ کرام ان اشیاء میں سے کسی میں خوض نہ کرتے تھے،
 کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حفظ جماعت نہایت ہی ضروری امر ہے، حالانکہ ان کی
 حجتوں کی تلواریں تیز تھیں اور ان کے نیزے تیار تھے۔ اس واسطے جب خوارج
 ظاہر ہوئے۔ تو عالم امت و رسول امت کے چچیرے بھائی حضرت امیر المومنین
 علی بن ابی طالب اور جبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) ان کی
 طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں سے بعض مناظرہ سے راہ راست پر آگئے۔ باقی نے
 عناد کی وجہ سے انکار کیا، تو ان پر تلوار مسلط ہو گئی۔

ولكن حكم السيف فيكم مسلط

فترضني اذا ما اصبحت السيف راضيا۔

(لیکن تلوار کا حکم تم میں مسلط ہے۔ پس ہم راضی ہیں جب تلوار راضی ہو گئی۔)

اسی طرح جب بدعت قدر (۳) نکلی اور معبد جمعی نے اسے ظاہر کیا۔ تو اللہ

تعالیٰ نے اس کے لئے زاہد امت و ابن فاروق امت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ

کو مقرر کر دیا۔ اگر یہ دونوں بدعتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ تو حضرات صحابہ کرام رضی

اللہ تعالیٰ عنہم ایک کے رد اور دوسری کے ابطال میں کلام نہ کرتے۔ ان کی عادت

تو یہی تھی کہ تقویٰ و جہاد اور افعال خیر کی ترغیب دیتے۔ اسی واسطے نہ تو حضور

سید المرسلین ﷺ سے اور نہ آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی

سے یہ منقول ہے کہ لوگوں کو عام مجمع میں جمع کیا ہو۔ پھر حکم دیا ہو کہ اللہ تعالیٰ

کی نسبت ایسا ایسا عقیدہ رکھا کرو۔ حالانکہ کئی احکام میں ایسا ہوا ہے۔ اور ہم تو ان

میں اس طرح کلام کرتے ہیں جسے خاص لوگ سمجھتے ہیں اور عام انکار نہیں کر سکتے۔ میں اللہ کی سچی قسم کھاتا ہوں ایک بار نہیں، بلکہ لاکھوں بار کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے یوں نہیں فرمایا کہ اے لوگو! تم اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ جنت علو میں ہے۔ اور نہ خلفاء راشدین نے اور نہ کسی اور صحابی نے یوں کہا ہے۔ بلکہ انہوں نے تعبدات و احکام میں لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن جب بدعتیں ظاہر ہوئیں۔ تو سلف نے ان کا قلع قمع کر دیا۔ رہا عقائد کے لئے تحریک کرنا اور ان کے اظہار کے لئے اور ان کی تولیدگی کی درستی کے لئے کمر ہمت باندھنا، سو ایسا انہوں نے نہیں کیا۔ بلکہ بدعتوں کے ظاہر ہوتے ہی جڑ سے کاٹ دیا۔

حشویہ جب مخالفین کے ساتھ اصول دین کے مسائل میں بحث کرتے ہیں تو عقل سے کلام کرتے ہیں اور منقول میں تصرف کرتے ہیں۔ جب حشوتک پہنچتے ہیں، تو بتکلف کند ذہن بن جاتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ نہ عربیت سمجھتے ہیں نہ عجمیت، خدا کی قسم! وہ بالکل نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھیں تو سرگشتہ ہو جائیں۔ لیکن وہ بحر ہوا میں کود پڑے۔ پس اسے چیر کر تیرے اور انہوں نے ہر کمزور عقل والے اور خراب ذہن والے کو سنا دیا اور سلف کی مخالفت کی جو اس بارے میں عوام کے ساتھ کلام کرنے سے رک جایا کرتے تھے۔ چنانچہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ جب علم توحید میں کلام کیا کرتے، تو نااہل کو نکال دیا کرتے تھے۔ اور سلف رحمہم اللہ تعالیٰ توحید کے بارے میں اہل سنت ہی کے ساتھ کلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ جب علم توحید میں کلام کیا کرتے۔ تو نااہل کو نکال دیا کرتے تھے۔ اور سلف رحمہم اللہ تعالیٰ نے توحید کے بارے میں اہل

سنت ہی کے ساتھ کلام کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اہل تحقیق کا قاعدہ یہی ہے اور نو عمروں کے ساتھ بخل کیا کرتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ نو عمر تو ان امور کو چھوٹا خیال کرتے ہیں اور اس راستہ میں مبتدی ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان امور کو آزمایا نہیں اور ان میں ان کا قدم راسخ نہیں اگرچہ ہفتاد سالہ ہوں۔ حضرت سہل رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ نو عمروں کو اسرار پر آگاہ نہ کرو پیشتر اس کے کہ ان کا اعتقاد پختہ ہو جائے کہ خدا ایک ہے۔ وہ یگانہ بے نیاز اور کیفیت و اینیت سے پاک ہے، افکار اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اور عقلیں اس کی کیفیت نہیں بتا سکتیں۔

روئے سخن ابن تیمیہ کی طرف

اور یہ فریق تو لوگوں کے ایمان کو کافی نہیں سمجھتا جب تک جہت کا اعتقاد نہ ہو۔ گویا اس نے نبی ﷺ کی یہ صحیح حدیث نہیں سنی ”مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہیں۔“ کیا وہ اکتفاء نہیں کرتا جس پر اس کے نبی ﷺ نے اکتفاء کیا ہے یہاں تک کہ وہ ایسے سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیتا ہے کہ جس کا کنارہ نہیں، اور ایسے امر کی تفتیش کا حکم دیتا ہے کہ جس شخص کی تفتیش کا حکم رسول اللہ ﷺ نے نہیں دیا اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی نے دیا۔ کیا اس کے لئے کافی نہیں جو اس کے امام یعنی امام حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی چیز کے ساتھ کرنی چاہیے جس کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی صفت کی ہے یا جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اس کی صفت کی ہے۔ ہم قرآن و حدیث سے تجاوز نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ از روئے قرآن و حدیث جس چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ متصف ہے، وہ حق ہے یہ کوئی چستان نہیں، بلکہ اس کے معنی معروف

ہیں، جیسا کہ متکلم کے کلام سے اس کا مقصود معلوم ہو جاتا ہے، اور وہ باوجود اس کے اپنی ذات و اسماء و صفات میں بے مثل ہے اور اس کے افعال میں کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

پس یہ ضروری امر ہے کہ اللہ سبحانہ کے لئے ذات حقیقیہ اور افعال حقیقیہ ہیں۔ اسی طرح اس کے لئے صفات حقیقیہ ہیں اور اس کی مثل کوئی شے نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں۔ جو چیز موجب نقص یا صورت ہو اللہ عزوجل حقیقت میں اس سے پاک ہے، کیونکہ وہ ایسے کمال کا مستحق ہے کہ جس کے اوپر کوئی نہایت نہیں اور حدوث اس پر ممتنع ہے کیونکہ عدم اس پر محال ہے اور حدوث سے لازم آتا ہے کہ وہ پہلے معدوم تھا اور محدث محدث کا محتاج ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بذات خود واجب الوجود ہے۔ یہ اس کے امام کا صریح کلام ہے۔ اس نے اس پر اکتفا کیوں نہ کیا، حالانکہ اس کا امام اس کلام میں جوامع الکلم لایا ہے اور اس بے دین و گمراہ (ابن تیمیہ) کے دعویٰ کی تردید میں امام موصوف نے متکلمین کے دلائل کو نہایت اچھی طرح اور واضح طور پر پیش کیا ہے۔ بایں ہمہ امام موصوف نے وہ حکم نہیں دیا جو اس نے دیا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک سے توحید کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ ہم نبی ﷺ کی نسبت یہ گمان کریں کہ آپ نے اپنی امت کو طریق استنجاء تو سکھا دیا اور توحید کی تعلیم نہ دی حالانکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے حکم ملا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ دیں، الحدیث۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اس جواب میں بتا دیا کہ توحید میں لوگوں سے مطلوب وہی ہے جس پر یہ

حدیث مشتمل ہے اور یہ نہ بتایا کہ توحید سے یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے صفات باری تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا۔ تو فرمایا: کہ عقلوں پر حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ دیں اور اوہام پر حرام ہے کہ اس کو محدود کریں اور ظنون پر حرام ہے کہ تقطیع کریں اور نفوس پر حرام ہے کہ فکر کریں اور ضمائر پر حرام ہے کہ اس کی تہ کو پہنچیں اور خواطر پر حرام ہے کہ اس کا احاطہ کریں سوا اس کے جس کے ساتھ اس نے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے اپنی صفت کی ہے۔ جو شخص غایت درجہ کی کوشش کرے گا اور فیشن و بحث کرے گا۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین اور صدر اول کی عادت سوا اس کے نہ تھی کہ ان امور میں خوض سے رکھتے تھے اور مجالس میں ان کا ذکر نہ کرتے تھے اور عوام سے ان کو بیان نہ کرتے تھے اور منبروں پر ان میں کلام نہ کرتے تھے اور ان سے شعلہ زن آگ کی مثل خواطر نفسانی لوگوں کے دلوں میں نہ ڈالتے تھے۔ اس عادت کا ان کی سیرت سے ہونا بالبداہت ظاہر ہے۔ اسی پر ہم نے اپنے عقیدے کی بنیاد رکھی ہے اور اپنے مذہب کو قائم کیا ہے۔ سلف سے ہماری موافقت اور طریق سلف سے مخالف کی مخالفت تجھے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ظاہر ہو جائے گی۔

مدعی (ابن تیمیہ) نے اگرچہ اتباع سلف کا دعویٰ کیا ہے، مگر سوائے بدعت کے وہ کسی راہ نہیں چلا۔ اس کا قول ہے کہ سلف نے اس کو ظاہر کر دیا اور یہ بھی کہتا ہے کہ نبی ﷺ نے ہر چیز حتیٰ کہ سرگین کا حکم بیان فرما دیا۔ کیا یہ ضروری مسئلہ نہیں سکھایا۔ مگر اس کا یہ کھوٹا سکہ پر کھنے والے صراف کے ہاں نہیں چل

سکتا۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ سرگین کی حاجت تو ہر ایک کو ہوتی ہے اور بعض دفعہ دن میں کئی بار ہوتی ہے۔ مگر عوام کو صفات میں خوض کرنے کی کیا حاجت ہے۔ ہاں! توحید میں جس امر کی ضرورت ہے اس کا بیان تو اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ الْحَدِيث میں موجود ہے۔

مزید بریں آنکہ مدعی کا یہ کلام تو اس کی بنیاد کو گراتا اور اس کے ارکان کو ست و کمزور بناتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے سرگین کی تعلیم صریح طور پر دی ہے، مگر امت کو یہ تعلیم نہیں دی کہ خدا تعالیٰ اوپر کی طرف ہے۔ استواء میں عرش و سماء کا جو ذکر ہے۔ مدعی نے اپنا جتنی اور اپنے دعویٰ کا نہایت محکم دستہ اس پر رکھا ہے کہ دونوں سے مراد ایک ہی شے ہے اور وہ جہت علو ہے۔ لہذا اس مدعی نے جو کچھ کہا ہے نبی ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی، حالانکہ سرگین کا حکم بتا دیا ہے۔ پس مدعی کے نزدیک عوام کو حدیث جہت کی تعلیم دینا واجب ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ رہے ہم، سو ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ایسے مسئلہ میں خوض نہ کیا جائے اور سکوت اختیار کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے سکوت فرمایا ہے اور ہمیں وہی کرنا چاہیے جو انہوں نے کہا، اس واسطے ہم میں کوئی ایسا نہ پایا جائے گا جو عوام کو صفات میں کسی طرح کے خوض کا حکم دے۔ مگر مخالفین نے اپنی عادت کر لی ہے کہ خود صفات میں خوض کرتے ہیں اور دوسروں کو ان میں خوض کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ کاش! میں جانتا کہ سلف سے زیادہ مشابہ کون ہے، وہ یا ہم؟

اہل سنت و جماعت اور مشائخ طریقت کا عقیدہ

لیجئے! اب ہم اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ

قدیم ازلی ہے، وہ کسی شے کی مثل نہیں، نہ کوئی شے اس کی مثل ہے۔ اس کے لئے نہ جہت ہے، نہ مکان۔ وقت اس کو نہیں گھیرتا اور نہ زمانہ۔ اس کے لئے این (کہاں) نہیں کہا جاتا اور نہ حیث۔ اس کی رویت ہوگی نہ مقابلہ^(۴) سے اور نہ مقابلہ پر۔ وہ تھا حالانکہ کوئی مکان نہ تھا، مکان و زمان پیچھے ہوئے۔ وہ اب ایسا ہے جیسا کہ تھا، یہ اہل سنت کا عقیدہ اور مشائخ طریقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عقیدہ ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کی نہ شبیہ ہو نہ نظیر۔ وہ اس سے متصل کب ہو سکتا ہے کہ جس کی شبیہ و نظیر ہو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی سے کہا گیا کہ آپ ہم کو اللہ و عزوجل کی خبر دیں، فرمایا: ایک معبود۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ کیسا ہے؟ فرمایا: ملک قادر، دریافت کیا گیا کہ وہ کہاں ہے؟ فرمایا بالمرصاد۔^(۵) سائل نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے اس کی نسبت سوال نہیں کیا۔ فرمایا: جو اس کے سوا ہے وہ مخلوق کی صفت ہے، لیکن خدا کی صفت وہی ہے جو میں نے بتادی۔

ابن شاہین نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مع کے معنی دریافت کئے۔ آپ نے جواب دیا کہ مع کے دو معنی ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ نصرت و حفاظت کے لحاظ سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”تحقیق میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔“ (طہ - ۲۷) اور عالم کے ساتھ علم اور احاطہ کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا۔ جہاں وہ نہیں ان میں چوتھا۔“ (مجادلہ - ۲۷) یہ سن کر ابن شاہین نے کہا: کہ تجھ سے بزرگ کو شایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف امت کی رہنمائی کرے۔

حضرت ذوالنون بصری سے اس آیت کے معنی دریافت کئے گئے۔
 اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طہ - ع ۱۱) فرمایا: اس نے اپنی ذات کو قائم
 رکھا اور مکان کی نفی کی۔ پس وہ ذات خود موجود ہے اور اشیاء اس کی حکمت سے
 موجود ہیں جیسا کہ اس نے چاہا۔

حضرت شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی آیت کی بابت پوچھا گیا۔ فرمایا:
 رحمن تو ہمیشہ سے ہے۔ عرش مخلوق ہے اور رحمن کے ساتھ قائم ہے۔

حضرت جعفر بن نصیر رحمہ اللہ سے اس کی بابت پوچھا گیا، تو فرمایا کہ اسے ہر
 شئی کا علم برابر ہے ایک شئی دوسری شئی کی نسبت اس سے زیادہ قریب نہیں،
 امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے یہ
 گمان کیا کہ اللہ کسی شے میں ہے یا کسی شے سے ہے یا کسی شے کے اوپر ہے، وہ
 مشرک ہے۔ کیونکہ اگر وہ کسی شے میں ہو تو محصور ہو گا۔ اگر کسی شے کے اوپر
 ہو تو محمول ہو گا۔ اگر کسی شے سے ہو تو حادث ہو گا۔

حضرت ابو عثمان مغربی کے خادم محمد بن محبوب کا بیان ہے کہ حضرت ابو
 عثمان نے ایک روز مجھ سے فرمایا: اے محمد! اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ تیرا معبود
 کہاں ہے؟ تو کیا جواب دے گا۔ میں نے عرض کیا کہ جہاں وہ رہا ہے، یعنی وہ
 موجود تھا اور کوئی مکان نہ تھا۔ پس وہ اب ہے جیسا کہ تھا۔ راوی کا قول ہے کہ
 میرے آقا نے میرے قول کو پسند فرمایا اور اپنی قمیص اتار کر مجھے عطا فرمائی۔

ابو عثمان مغربی کا بیان ہے کہ میں مسئلہ جہت کا کچھ اعتقاد رکھتا تھا۔ جب
 میں بغداد میں آیا، تو وہ اعتقاد میرے دل سے جاتا رہا اور میں نے مکہ میں اپنے
 اصحاب کی طرف لکھا کہ میں از سر نو ایمان لایا ہوں۔ پس ان سب نے جو اس

مسئلہ میں آپ کے تابع تھے رجوع کیا، یہ ہی کلمات پیشوایان اہل توحید و جمہور امت (بإستثناء اس چھوٹی سی جماعت) اماموں کے ہیں اور ان کی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں اور اس مفسد جماعت کا رد احاطہ شمار سے خارج ہے۔ اس بیان سے ہماری غرض ان ائمہ اعلام کی تقلید نہیں، کیونکہ اصول دیانات میں تقلید منع ہے، بلکہ میں نے ان کا ذکر صرف اس واسطے کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہل سنت کا مذہب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ پھر ہمارا قول ہے کہ آیات صفات و اخبار صفات کو جو شخص سنے، اس کے وظائف یہ ہیں۔ تقدیس و تنزیہ اور ایمان لانا اس پر جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد ہے، اور دل سے سچ جانتا اور عجز کا اعتراف کرنا اور سکوت اختیار کرنا اور الفاظ واردہ میں تصرف سے باز رہنا اور باطن کو اس میں فکر کرنے سے روکنا اور اعتقاد رکھنا کہ ان میں سے جو اس پر پوشیدہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر پوشیدہ نہیں ہے، ان وظائف کی تشریح عنقریب آئے گی۔

کاش! میں جانتا کہ ہم کس قول میں سلف کے مخالف ہیں۔ کیا اس قول میں کہ خدا تھا اور کوئی مکان نہ تھا۔ یا اس قول میں کہ اس نے مکان کو پیدا کیا، یا اس قول میں کہ وہ اب جیسا کہ تھا، یا اس قول میں کہ حق تعالیٰ جسمیت و مشابہت جسمیت سے پاک ہے۔ یا اس قول میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی تصدیق واجب ہے، اس معنی میں جو ان کی مراد ہے۔ یا اس قول میں کہ یہاں عجز کا اعتراف واجب ہے، یا اس قول میں کہ ملاطاف میں سوال و خوض کرنے سے ہمیں خاموش رہنا چاہیے۔ یا اس قول میں

کہ خواہر کی زیارت یا نقصان کے ساتھ بدل دینے سے زبان کو روک رکھیں۔
 کاش! میں جانتا کہ کس بات میں سلف کے موافق ہیں۔ کیا اس بات میں
 کہ وہ اس میں خوض کرنے کی طرف بلاتے ہیں اور ایسے بیوقوف تو عمروں اور
 نالائق عوام کے ساتھ بحث کی ترغیب دیتے ہیں جو نجاست کی جگہ دھونے اور
 نماز قائم کرنے سے عاجز ہیں، یا کیا وہ باری تعالیٰ کو جہت سے پاک سمجھنے میں سلف
 کے موافق ہیں؟ کیا انہوں نے کتاب اللہ میں یا سلف سے منقول علم میں یہ سنا
 ہے کہ انہوں نے جہت علو کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت کی ہے اور جو شخص جہت
 کے ساتھ اس کی صفت نہ کرے، وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا اور فلاسفہ و یہود و
 یونان کے بچوں سے ہے۔ دیکھو! وہ اللہ پر جھوٹ تھوپتے ہیں اور یہ کھلا گناہ ہے۔
 ابن تیمیہ کے دعویٰ کی تردید

اب ہم مخالف (ابن تیمیہ) کے قول کا ابطال شروع کرتے ہیں، پھر اس کے
 بعد ہم جہت و تشبیہ اور اس کے تمام مدعا کی نفی پر حجت قائم کریں گے اور مدد
 اللہ سے ہے۔ سو میں کہتا ہوں کہ اس نے پہلے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کا قول وہی
 ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون
 نے فرمایا ہے۔ باوجود اس کے کہا اس نے وہ جو نہیں فرمایا اللہ نے اور نہ اس کے
 رسول ﷺ نے اور نہ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے۔ کتاب و
 سنت کی جو اس نے مخالفت کی ہے، اسے ہم آگے بیان کریں گے۔ رہے سابقون
 اولون، سو ان کا ذکر ڈرانے کے لئے کیا گیا ہے، ورنہ اس نے ان کے اقوال میں
 سے ایک کلمہ بھی نہ نفی میں، نہ اثبات میں نقل کیا ہے۔ جب تو اس کے کلام پر
 نظر ڈالے گا۔ تجھے یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ بار خدا یا! مگر یہ کہ سابقون اولون

سے اس کی مراد اسی کے عقیدہ کے مشائخ ہوں نہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
 اس دعویٰ کے بعد اس نے آنحضرت ﷺ کی مدح کی ہے اور آپ کے
 دین کی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ آپ کے اصحاب آپ کے دین کے سب
 سے زیادہ عالم تھے۔ حقیقت بھی یوں ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے اور اس سے
 بھی زیادہ ہے۔ تعریفیں حضرت کے مناقب کا احاطہ کس طرح کر سکتی ہیں؟ مگر
 اس کا کلام ایسا ہے کہ جب کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
 ”کلمۃ^(۱) حق ارید بہا الباطل“

اس کے بعد مدعی نے ائمہ اور پیشوایان امت کی خدمت شروع کر دی
 ہے کہ انہوں نے باری تعالیٰ سبحانہ کے ادراک سے عجز کا اعتراف کیا ہے۔
 حالانکہ حضور سید الرسل ﷺ نے فرمایا ہے۔ ”پس تیری ثناء کا ضبط نہیں کر
 سکتا۔ جیسا کہ تو نے آپ اپنی ذات کی ثناء کی ہے۔“ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
 کا ارشاد ہے۔ ”ادراک کے حاصل کرنے سے عجز ادراک ہے۔“ مگر مدعی
 معرفت کے دعویٰ پر دلیر ہے اور اس دعویٰ پر کہ ابن الجبض نے قدیم کو جیسا کہ
 وہ ہے پہنچان لیا ہے۔ مدعی کے اس غرور و جہالت سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔ ہم
 خذلان سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس کے بعد مدعی جمہور امت محمد ﷺ کے مذہب کی نسبت کہتا ہے کہ یہ
 تو فلاسفہ کے بچوں اور یونان و یہود کے چیلوں کا مذہب ہے۔ ”اب لکھ رکھیں
 گے ان کی گواہی اور ان سے پوچھ ہو گی۔“ (زخرف - ع ۲)۔ پھر اس نے کہا ہے
 کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اول سے آخر تک اور
 صحابہ و تابعین کا عام کلام اور تمام اماموں کا کلام اس سے بھرا پڑا ہے جو نص ہے یا

ظاہر ہے اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے اوپر اور ہر شے پر اور عرش کے اوپر اور آسمان کے اوپر ہے۔ مدعی نے اثناء کلام اور آخر کلام میں کہہ دیا ہے کہ خدا عرش کے اوپر حقیقت میں ہے اور دوسری جگہ اسی بات کو سلف سے منقول بتایا ہے۔

کاش! میں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کہاں ہے جس صورت سے اس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے۔ اس نے جو کچھ کہا، کیا اس میں سے ایک کلمہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے تاکہ وہ کہہ سکے کہ وہ اس امر میں نص ہے۔ نص اسے کہتے ہیں، جس میں تاویل کا ہرگز احتمال نہ ہو اور یہی اس کی مراد ہے۔ کیونکہ، اس نے نص کو ظاہر کا غیر بتایا ہے، اور اسی واسطے ظاہر کا عطف نص پر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کونسی آیت اس اعتبار سے نص ہے؟

آیات سے استدلال کا جواب

پہلی آیت جس سے مدعی نے استدلال کیا ہے، یہ ہے۔ وَالْيَهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ (فاطر - ع ۳) ”اور اس کی طرف چڑھتا ہے۔ کلام ستمرا۔“ کاش! میں جانتا کہ اس آیت میں کونسی نص یا ظاہر اس امر پر ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے یا عرش کے اوپر ہے۔ اس کی بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ قول علو پر دلالت کرتا ہے جو صعود سے سمجھا جاتا ہے۔ مگر افسوس اس خر علم کا پاؤں کیچڑ میں پھسل گیا۔ کیونکہ صعود اس کلام میں حقیقت کس طرح ہو سکتا ہے؟ باوجودیکہ حقائق میں مفہوم یہ ہے کہ صعود اجسام کی صفتوں میں سے ہے۔ پس اس سے بجز قبول کوئی اور مراد نہیں ہو سکتی اور باوجود اس کے نہ حد ہے نہ مکان

ہے۔

اس کے بعد مدعی نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کیا ہے۔ اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (آل عمران - ۶۷) ”تحقیق میں تجھ کو بھر لینے والا اور تجھ کو اٹھانے والا ہوں اپنی طرف۔“ میں نہیں جانتا کہ اس نے اس آیت سے کس طرح یہ بات نکالی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے۔ کیا یہ استنباط دلالت^(۷) مطابقتی سے ہے یا دلالت تضمنی سے یا دلالت التزامی سے ہے، یا بطریق کشف والہام ہے۔ شاید! اسے یقین ہے کہ رفع صرف جہت علو میں ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہو جیسا کہ اس کے ذہن میں آیا ہے۔ تو یہ بھی صرف جسمیت و حدیت میں معقول ہے، مگر وہ ہر دو کا قائل نہیں۔ لہذا یہ حقیقت نہیں اس میں جس کے ساتھ اس نے استدلال کیا ہے۔ اگر وہ ہر دو کا قائل ہو۔ تو مغالطہ کی حاجت نہیں۔ شاید اس نے رفع کا استعمال مرتبہ میں اور تقرب کا استعمال منزلت میں نہیں سنا، حالانکہ یہ محاورہ عرب و عرف ہے اور نہ اس نے یہ سنا ہے۔ فلان رفع اللہ شانہ (اللہ نے فلان شخص کی شان بلند کر دی۔)

پھر اس نے یہ آیت پیش کی ہے۔ ءَاَمِنْتُمْ مِّنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ۔ (ملک - ۳۷) ”کیا نڈر ہوئے تم اس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنساوے تم کو زمین میں۔“ یہ اس آیت سے استدلال کرنے والے نے کلمہ من کو اللہ تعالیٰ سے خاص کر دیا ہے۔ شاید اس کے نزدیک جائز نہیں کہ یہاں مِّنْ^(۸) سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہوں اور شاید وہ قائل ہے کہ فرشتے ایسا نہیں کر سکتے۔ اور نہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اہل معدوم کو زمین میں دھنسایا۔ اسی واسطے اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ شاید

یہی نص ہے۔ جس کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ (معارج - ع ۱) ”چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس کی طرف۔“ عروج و صعود کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس آیت (۹) میں کسی طرح کی کوئی دلالت نہیں کہ عروج آسمان کی طرف ہے اور نہ اس پر دلالت ہے کہ عرش کی طرف ہے، یا ان چیزوں میں سے کسی کی طرف ہے جن کا اس نے دعویٰ کیا ہے۔ کیونکہ حقیقت عروج لغت عرب میں اجسام کے حق میں بمعنی انتقال ہے، اس لئے کہ عرب کے ہاں یہی معنی معروف ہیں۔ کاش! وہ اسے ظاہر کر دیتا ہے اور چھپانے کے الزام سے آرام پاتا۔

اس کے بعد یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (نحل - ۶۷) ”ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے۔“ اس آیت میں بھی کوئی دلالت نہیں۔ نہ آسمان پر نہ عرش پر اور نہ اس پر کہ وہ ان میں سے کسی میں حقیقت ہے۔ فوقیت دو معنوں میں مستعمل ہے۔ ایک تو یہ کہ ایک جسم کی نسبت دوسرے جسم کی طرف بدیں طور کہ ایک اعلیٰ اور دوسرا اسفل ہو، اس طرح کہ اعلیٰ کا اسفل اسفل کے سر کی طرف سے ہو، جو شخص اللہ تعالیٰ کو جسم نہیں سمجھتا۔ وہ ایسی فوقیت کا قائل نہیں۔ اگر یہی مراد ہوا اور خدا جسم نہ ہو، تو یہ کیوں جائز نہیں کہ مِنْ فَوْقِهِمْ صَلَٰهُ هُوَ يَخَافُونَ مَا اور تقدیر کلام یوں ہو۔ يَخَافُونَ مِنْ فَوْقِهِمْ رَبَّهُمْ۔ یعنی خوف اوپر کی طرف سے ہو اور عذاب اسی طرف سے آئے۔ فوقیت کے دوسرے معنی مرتبہ کے ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں۔ الخليفة فوق السلطان والسلطان فوق الامير۔ اسی طرح

کہا جاتا ہے۔ جلس فلان فوق فلان۔ والعلم فوق العمل۔ والصبغة فوق الدباغة۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کے اس قول میں آیا ہے۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (زخرف - ع ۳) ”اور اونچے کئے ہم نے ان کے درجے ایک کے اوپر دوسرے کے۔“ حالانکہ ایک دوسرے کے کندھوں پر نہیں چڑھا۔ اس معنی میں اس آیت میں ہے۔ وَإِنَّا فُوقَهُمْ قَاهِرُونَ (اعراف - ع ۱۵) ”اور ہم ان کے اوپر زبردست ہیں۔“ حالانکہ قبلی بنی اسرائیل کے کندھوں پر سوار نہیں ہوئے اور نہ ان کی پیٹھوں پر چڑھے۔

پھر مدعی اللہ تعالیٰ کا یہ قول لایا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (طہ - ع ۱) یہ قول قرآن کریم میں چھ جگہ آیا ہے۔ مشبہ و مجسمہ کا اسی آیت پر سہارا ہے اور اسی پر ان کا نہایت قوی اعتماد ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو ہمدان کی جامع مسجد کے دروازے پر لکھ دیا ہے۔ پس ہم اس کے واضح کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور گزارش کرتے ہیں کہ اگر وہ عقل کو ہر وجہ و سبب سے معزول کر دیں اور اس چیز کی طرف التفات نہ کریں جسے فہم و ادراک کہا جاتا ہے۔ تو ان کے اس فعل پر مرجبا ہے اور ہم بھی کہتے ہیں۔ ”اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی“۔ اگر وہ اس سے تجاوز کریں اور کہیں کہ یہ قول الہی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی^(۱) ہے۔ تو ہم مرجبا نہیں کہتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا: باوجودیکہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اسم فاعل میں ایسا ثبوت ہوتا ہے جو فعل سے نہیں سمجھا جاتا اور اگر وہ کہیں کہ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے تو جس امر کا انہوں نے التزام کیا تھا اسے انہوں نے چھوڑ دیا اور تناقض و جرأت میں مبالغہ

کیا۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں۔ ہم تو عقل کو برقرار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں جو اس سے مراد ہے۔ تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کلام عرب میں استواء کے کیا معنی ہیں۔ اگر وہ جلوس و استقراء بتائیں تو ہم کہیں گے کہ یہ معنی عرب کے ہاں صرف جسم کے لئے معروف ہیں۔ چنانچہ وہ کہا کرتے ہیں۔ اِسْتَوٰی جِسْمٌ عَلٰی الْعَرْشِ۔ (جسم تخت پر بیٹھا) اور اگر وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف جلوس و استقرار کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ جلوس کی نسبت جسم کی طرف ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ عرب کے ہاں یہ معروف نہیں، تاکہ یہ حقیقت ہو۔ ہاں عرب تیر کا استواء (سیدھا ہونا) سمجھتے ہیں جو اعوجاج (ٹیڑھا ہونا) کی ضد ہے اور اس کے ساتھ تیر کی صفت کیا کرتے ہیں اور باوجود اس کے تجسیم سے بیزار ہیں اور غیر جلوس پر عمل کرنے کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ مگر سد باب نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (حدید - ۱۴) اور اس قول میں وَنَحْنُ ^(۱۳) اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ (ق - ۲۴) اور تم ان کے ساتھ نہ کہو کہ وہ بلحاظ علم ایسا ہے۔ اگر تم نے یوں کہہ دیا۔ تو تم کس واسطے اس کو حلال کرتے ہو دوسرے سال اور تمہارے پاس کونسی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل استواء عرش میں نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ یہ عرب کا کلام نہیں تو ہم جواب دیں گے کہ عرب کے ہاں استواء بلا جسم اس معنی میں معروف نہیں جو تم کہتے ہو۔

مدعی نے تجسیم کے شرک سے یہ زعم کر کے گریز کرنا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جہت میں ہے اور عرش پر اس کا استواء ایسا ہے جو اس کے جلال کے شایاں ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ اب تو استواء میں ہمارے قول کی طرف آگیا

ہے۔ رہا جہت، سو جہت اس کے جلال کے شایان نہیں۔ مدعی نے متکلمین کے اس قول پر گرفت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایک جہت میں ہو۔ تو وہ اس سے اکبر ہو گا یا اصغریا مساوی اور یہ سب محال ہیں اور اس کے جواب میں کہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول عَلَى الْعَرْشِ سے نہیں سمجھے مگر وہ جو ثابت کرتے ہیں ایک جسم کے لئے جو دوسرے جسم پر ہو اور یہ لازم تابع ہے اس مفہوم کے، لیکن استواء جو شایان جلال الہی ہو اس کو ان لوازم میں سے کوئی شے لازم نہیں آتی۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ تم کبھی تمہی بنتے ہو اور کبھی قیسی۔ جب تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا استواء ہے جو اس کے جلال کے شایان ہے، یہ تو متکلمین کا مذہب ہے۔ اور جب تم نے کہا کہ استواء کے معنی استقرار اور ایک معین جہت سے اختصاص ہے تو تمہارا یہ قول تردید مذکور سے سالم نہ رہے گا۔

استواء استیلاء کے معنی میں ہے۔ میں اللہ کے آگے اس آیت کی نسبت شہادت دیتا ہوں کہ یہ ہرگز وارد نہیں ہوئی مگر اللہ کی عظمت و قدرت و بادشاہت کے ظاہر کرنے کے لئے، عرب اس کے ساتھ ملک و بادشاہی سے کنایہ کیا کرتے ہیں، چنانچہ کہا کرتے ہیں۔ فَلَانٌ اِسْتَوٰی عَلٰی كُرْسِيِّ الْمَمْلِكَةِ (فلاں تخت سلطنت پر بیٹھا۔) اگرچہ وہ ایک دفعہ بھی تخت پر نہ بیٹھا ہو اور اس سے بادشاہت مراد لیا کرتے ہیں۔ رہا مخالفین کا قول کہ اگر تم نے استواء کے معنی استیلاء لئے۔ تو عرش کا ذکر بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ایسا استیلاء تو تمام مخلوقات کی نسبت ہے۔ عرش سے خاص نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عرش تمام موجودات کو گھیرے ہوئے ہے، اس لئے اس پر استیلاء تمام پر استیلاء ہے اور غیر عرش ایسا نہیں۔ نیز عرب کا کنایہ سابقہ اس کو ترجیح دیتا ہے، استواء کے معنی میں

سلف یعنی امام جعفر صادق وغیرہ کا کلام پہلے آپکا ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ استواء بمعنی استیلاء صرف اجسام میں ہوتا ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ استواء بمعنی جلوس بھی جسم میں ہوتا ہے اور تم نے کہہ دیا کہ ہم اس کے قائل نہیں۔

مدعی نے دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول فرعون سے بطور حکایت پیش کیا ہے۔ **يٰهٰذَا مَاۤنِ ابْنُ لٰى صَرَحًا لِّعَلٰى اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰى اِلٰهِ مُوسٰى وَاِنِّىْ لَا اُظَنُّهُ كَاذِبًا** (۱۳) (مومن - ع ۴) ”اے ہامان! بنا میرے واسطے ایک محل‘ شاید میں پہنچوں رستوں میں‘ رستوں میں آسمان کے۔ پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے۔“

کاش! میں جانتا کہ وہ فرعون کے کلام سے کس طرح سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اور عرش کے اوپر ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کے معبود کو جھانک دیکھنا یا تو اس طرح ہے کہ وہ معبود آسمانوں میں ہو۔ مگر اس کا اس نے ذکر نہیں کیا اور اگر وہ فرعون کے کلام سے یہ سمجھا ہے‘ تو وہ فرعون کے اٹکل اور فہم سے کس طرح۔ استدلال کر سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو فرعون کی نسبت خبر دے رہا ہے۔ کہ اس کے برے اس کو اچھے دکھائے گئے تھے‘ اور وہ اللہ عزوجل کی راہ سے روکا گیا تھا‘ اور اس کا داؤد ہلاک و زیان میں تھا۔ مزید بریں آنکہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ ؑ سے یوں سوال کیا **وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ** (شعراء - ع ۲) ”اور کیا ہے پروردگار عالموں کا۔“ تو حضرت نے جواب میں جہت کا ذکر نہ کیا‘ بلکہ اخص الصفات یعنی قدرت علی الاختراع کا ذکر کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ثابت ہوتی‘ تو اس کے ساتھ تعریف اولیٰ تھی‘ کیونکہ اشارہ حسیہ

حس و عرف کے لحاظ سے اقویٰ المعرفات ہے اور فرعون نے لفظ تا کے ساتھ سوال کیا تھا۔ پس اس کا جواب صفت کی نسبت تمیز کے ساتھ اولیٰ تھا، مدعی جو کچھ اس آیت سے سمجھا اور جس کے ساتھ اس نے استدلال کیا اس کی غایت فرعون کی سمجھ ہے، پس اس عقیدہ کا سارا فرعون کی اٹکل ہے، جس کی تائید کرنے والا یہ مدعی ہے۔ کاش! میں جانتا کہ اس نے فرعون کی طرف اس عقیدے کی نسبت کا ذکر کیوں نہیں کیا، جیسا کہ اس نے ذکر کر دیا۔ کہ امت محمد ﷺ کے سادات کا عقیدہ جنہوں نے مسئلہ تمیز و جہت میں اس کی مخالفت کی اور جن کو اس نے جہمیہ کے ساتھ ملا دیا لبید بن اعصم یہودی سے لیا گیا ہے۔ جس نے نبی ﷺ کو جادو کر دیا تھا۔

مدعی نے آیات کریمہ کو جن سے اس نے استدلال کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ختم کیا ہے۔ تَنْزِيلُ^(۱۴) مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (حم سجدہ - ع ۵) وَالَّذِينَ^(۱۵) اَتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ اَنَّهُ مَنزَّلٌ مِّنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ - (انعام - ع ۱۴) حالانکہ ان دو آیتوں میں نہ عرش کا ذکر ہے، نہ کرسی کا، نہ آسمان اور نہ زمین کا۔ بلکہ صرف تنزیل کا ذکر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ دلالت کی کس قسم سے مدعی نے یہ استنباط کیا، کیونکہ تنزیل سے آسمان نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے کہ تنزیل کبھی آسمان سے ہوتی ہے، کبھی غیر آسمان سے اور نہ تنزیل قرآن سے سمجھا جاتا ہے۔ اس سے نزول کس طرح سمجھا جائے جو اوپر سے نیچے کی طرف انتقال کا نام ہے۔ کیونکہ عرب کلام میں یہ نہیں سمجھتے، خواہ وہ کلام غرض سے ہو یا غیر غرض سے ہو۔ عرب جس طرح نزول کا اطلاق انتقال پر کرتے ہیں، غیر انتقال پر بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ وَانْزَلْنَا الْحَدِيدَ

فِيهِ بَاسٌ شَدِيدٌ - (حدید - ع ۳) ”اور ہم نے اتارا لوہا“ اس میں سخت لڑائی ہے۔ ”وَأَنْزَلُ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَنِيَّةً أَزْوَاجَ (زمر - ع ۱) ”اور اتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نر مادہ۔“ حالانکہ کسی نے لوہے کا ٹکڑا کرہ ہوائی میں آسمان سے اترتا نہیں دیکھا اور نہ اونٹ آسمان سے زمین کی طرف اترتا دیکھا ہے۔ جس طرح ہم نے یہاں جائز رکھا کہ نزول اوپر سے نیچے کی طرف انتقال کا غیر ہے، اسی طرح وہاں بھی ہم کو جائز سمجھنا چاہیے۔ قرآن مجید کی یہی آیتیں ہیں جن سے اس نے استدلال کیا ہے۔ پہلے اس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں وہی کہوں گا جو اللہ نے کہا ہے اور آیات مذکورہ بالا کو بطور نص یا ظاہر اپنے دعویٰ کی دلیل بتایا۔ مگر جب تم اس کے دعویٰ کو دیکھو گے اور ہمارے جواب میں بغور نظر ڈالو گے اور ان آیتوں کی بہت دیکھ بھال کرو گے۔ تو ان میں تم کو ایک کلمہ بھی بصورت نص یا ظاہر اس کے دعوے کے موافق ہرگز نہ ملے گا، کتاب اللہ کے بعد ہر امر اور اس کا دعویٰ بے سود ہے۔

احادیث سے استدلال کا جواب

آیات قرآن کے مدعی نے احادیث میں سے حدیث معراج کے ساتھ استدلال کیا ہے، حالانکہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں آسمان یا عرش کے اوپر ہے اور نہ اس میں اس قسم کا کوئی کلمہ ہے۔ اس نے حدیث معراج کو نقل نہیں کیا اور نہ وجہ دلالت بتائی ہے، تاکہ اس کا جواب دیں۔ اگر وہ وجہ دلالت بیان کر دیتا تو ہم اس کا جواب دیتے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس (عند) کے فرشتوں کے اترنے کے ساتھ استدلال کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کا آسمان سے اترنا صرف اس واسطے ہے کہ آسمان ان کے رہنے کی جگہ ہے۔ عندیت اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ آسمان میں ہے، کیونکہ پیغمبروں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس (عند) سے ہیں، اگرچہ وہ آسمان سے نہیں اترتے، علاوہ ازیں عندیت سے بعض وقت شرف و رتبہ مراد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ** (ص - ۲۷) ”اور اس کو ہمارے پاس رتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔“ اور غیر رتبہ و شرف میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار عزوجل سے بطور حکایت فرماتے ہیں۔ **إِنَّا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِيٍّ** ”میں ہوں پاس اس ظن کے جو میرے بندے کو میری نسبت ہے۔“ عروج ملائکہ کو بھی بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

مدعی کبھی الفاظ **إِلَىٰ رَبِّهِمْ** کو اپنی پشت پناہ بناتا ہے اور کہتا ہے کہ کلمہ **إِلَىٰ** انتہاء غایت کے لئے ہے اور قطع مسافت میں آتا ہے۔ جب وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گیا، تو وہ کلام عرب نہیں بولا۔ کیونکہ مسافت سے عرب وہی سمجھتے ہیں جس میں

اجسام ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔ مگر وہ قائل ہے کہ عرب ایسا نہیں کہتے۔ حالانکہ حضرت خلیل علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (صافات - ع ۳) ”میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔“ یہاں بالاتفاق وہ انتہاء مراد نہیں جو مدعی کا مقصود ہے۔ پس مدعی نے کتاب اللہ میں اس پر جرأت نہیں کی اور خبر واحد میں اس کے ساتھ جواب نہیں دیا جاسکتا۔

مدعی نے آنحضرت ﷺ کا یہ قول ذکر کیا ہے۔ الا ^(۱۳) تَامِنُونِنِیْ وَاَنَا اَمِیْنٌ مَنْ فِی السَّمَاءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً۔ یہاں من سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں اور نہ نبی کریم ﷺ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ مدعی کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہاں من سے مراد فرشتے نہیں۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم رکھنے کے لحاظ سے اکبر المخلوقات ہیں اور قرب پر اطلاع کے لحاظ سے اشرف المخلوقات ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ امین ہیں اور آپ ان کے نزدیک اس رتبہ میں ہیں۔ مدعی کو معلوم رہے کہ حدیث میں کوئی ایسا امر نہیں جو اس کی نفی کرتا ہو، اور نہ کوئی ایسا امر ہے جو اس کے دعوے کو ثابت کرتا ہے۔

اس کے بعد مدعی نے یہ حدیث رقیہ ذکر کی ہے۔

ربنا ^(۱۴) اللّٰهُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ تَقْدُسُ اسْمُکَ اَمْرُکَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ کَمَا رَحِمْتُکَ فِی السَّمَاءِ الْحَدِیْث۔ بر تقریر ثبوت حدیث آنحضرت ﷺ نے اس میں فی السماء پر سکوت نہیں فرمایا، پس ہم اس پر کیوں وقف کریں؟ اور تقدس اسمک کو کلام مستأنف قرار دیں۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا ہے یا ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ اس صورت میں مدعی

کو چارہ نہ ہو گا۔ جز اس کے کہ کہے 'اللہ کا اسم تو آسمان و زمین میں پاک ہے۔ پھر آسمان کا ذکر خصوصیت سے کیوں وارد ہے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ تقدس کے کیا معنی ہیں؟ اگر اس سے مراد تنزیہ من حیث ہو تنزیہ ہے۔ تو یہ نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں۔ کیونکہ تنزیہ کے معنی نقائص کی نفی ہے اور اس کا تعلق نہ آسمان سے ہے نہ زمین سے 'پس مراد یہ ہے کہ مخلوقات اس کو پاک کہتی ہے اور اس تنزیہ کے ساتھ پہچانتی ہے 'اس میں شک نہیں کہ آسمان والے اس کی تنزیہ پر متفق ہیں۔ اسی طرح اس میں بھی شک نہیں کہ اہل زمین میں سے بعض اسے پاک نہیں جانتے اور اس کی ثیل ٹھہراتے ہیں اور اس کی صفت ایسے وصف کے ساتھ کرتے ہیں جو اس کے جلال کے شایان نہیں۔ پس ذکر تقدیس کے ساتھ آسمان کی تخصیص اس واسطے ہے کہ اہل آسمان اس کی تنزیہ پر متفق ہونے میں یگانہ ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات پاک کو مَالِکِ یَوْمِ الدِّینِ کے ساتھ خاص کیا ہے 'کیونکہ قیامت کے دن مدعیان ملک کو ملک کا دعوے نہ رہے گا اور جیسا کہ قیامت کو جب کہ والیان روئے زمین کی بادشاہت نہ رہے گی 'ندا آئے گی۔ لَمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ "آج ملک کس کا ہے؟" پھر خود ہی جواب دے گا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن - ۲۷) مدعی نے اس حدیث کو اول سے کئی بار دہرایا ہے 'یہاں تک کہ کہا ہے کہ یوں کہنا چاہیے۔ رَبَّنَا الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ۔ اس نے فِی السَّمَاءِ پر وقف کیا ہے۔ کاش! میں جانتا کہ کیا علماء میں سے کسی نے اس طرح وقف کیا ہے۔ یہ محض ایہام ہے 'کہ سید المرسلین ﷺ نے یوں فرمایا۔ رَبَّنَا اللّٰهُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ۔

رہا حدیث اوعال^(۱۸) اور جو اس میں وارد ہے کہ عرش سب سے اوپر ہے

اور اللہ اس سب سے اوپر ہے۔ سو گزارش ہے کہ مشبہ اکثر اس حدیث سے عوام کو شک میں ڈالتے ہیں کہ وہ اس کے قائل ہیں اور اس کے ساتھ اپنے طمع باطل کو رواج دیتے ہیں۔ اور اپنے دعاوی میں سے کسی دعویٰ کو اس حدیث کے ساتھ زینت دیئے بغیر نہیں چھوڑتے، ہم بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کے ایک حرف کے بھی قائل نہیں اور نہ ان کا قدم اس امر پر ٹھہرا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں عرش کے اوپر ہے۔ بلکہ انہوں نے اس دعوے کو توڑ ڈالا ہے۔ اس کی توضیح اس عبارت کے پہلے لانے سے ہوتی ہے جو مدعی اخیر میں لایا ہے۔ چنانچہ اس کا آخر کلام اس طرح ہے۔ ”کوئی گمان کرنے والا گمان نہ کرے یہ مخالف ہے۔“ ظاہر قول خدا ”وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ“ کے اور مخالف ہے اس قول نبی ﷺ کے ”إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَإِنَّ اللَّهَ قَبْلَ وَجْهِهِ“ وغیرہ کے۔ کیونکہ یہ غلط ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں ہمارے ساتھ ہے اور حقیقت میں عرش کے اوپر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو امر کو اپنے قول ذیل میں جمع کر دیا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَرْجِعُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ (حدید - ع ۱۱)

”وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں۔ پھر غالب ہوا عرش پر، جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو اس سے نکلتا ہے۔ جو اترتا ہے آسمان سے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ

ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔“

(اسی مدعی نے منہ پھاڑ کر بغیر چھپانے اور بغیر تامل و توقف کے یہ کہہ دیا ہے۔) پس اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ وہ عرش کے اوپر ہے اور ہر شے جانتا ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے جہاں کہیں ہم ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث اوعال میں فرما دیا کہ اللہ عرش کے اوپر ہے اور وہ جانتا ہے جو تمہارا حال ہے (پس اب تم سمجھ گئے کہ اس مدعی کا یہ دعوے ہے کہ اللہ حقیقت میں عرش کے اوپر ہے۔ اس نے آیہ ”ثم استوی علی العرش“ سے استدلال کیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر قرار دیا ہے۔ ہر ایک صاحب ذہن درست و فکر مستقیم کو معلوم ہے کہ استوی علی العرش صرف مترادف ہے فوق العرش حقیقہ کا۔ جس پر ہماری طرف سے بحث پہلے آچکی ہے اور نہ آیت میں کوئی ایسا امر ہے جو جمع پر دلالت کرتا ہو جس کا مدعی نے دعوے کیا ہے اور نہ اس نے استدلال میں تقریب^(۱۹) کو ملحوظ رکھا ہے، بلکہ کتاب اللہ میں سے ایک آیت پیش کی ہے، جو معلوم نہیں اسے حفظ و یاد تھی یا قرآن شریف میں دیکھ کر نقل کر دی ہے۔ پھر اس آیت کو جمع پر دلالت کرنے میں حدیث اوعال کے مشابہ بتایا ہے کہ جیسا رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اللہ عرش کے اوپر ہے، حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو معیت پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ کلمہ مع کو حدیث میں کوئی دخل نہیں) اور یہ اس طرح ہے کہ کلمہ مع کو جب مطلق بغیر تقييد کے لایا جائے۔ تو اس کا ظاہر لغت میں صرف مقارنت مطلقہ ہے اور دائیں یا بائیں سے مماسات یا محاذات کا ہونا واجب نہیں۔ پس جب معانی میں سے کسی معنی کے ساتھ اس کی تقييد کی جائے۔ تو اس معنی کے ساتھ

مقاربت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ مَا زِلْنَا نَسِيرُ وَالْقَمَرُ مَعَنَا وَالنَّجْمُ مَعَنَا ”ہم چلتے رہے اور چاند ہمارے ساتھ تھا اور ستارہ ہمارے ساتھ تھا۔“ هَذَا الْمَتَاعُ مَعَنَا۔ (یہ پونجی ہمارے ساتھ ہے۔) یہاں پونجی تیرے ساتھ جمع ہونے کے سبب سے تیرے ساتھ ہے، خواہ وہ تیرے سر کے اوپر ہو۔ پس اللہ تعالیٰ حقیقت میں اپنی مخلوق کے ساتھ ہے۔ پھر اس معیت کے احکام بحسب موارد و مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يُلْجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يُخْرِجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔

اس خطاب کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس معیت کا حکم اور اس کا مقتضایہ ہے کہ وہ تم پر آگاہ ہے۔ تمہیں جانتا ہے۔ یہی معنی ہیں سلف کے اس قول کے کہ وہ بلحاظ علم ہمارے ساتھ ہے اور یہی ظاہر خطاب اور حقیقت خطاب ہے۔ اسی طرح ان آیات میں ہے۔ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَاسِعُهُمْ الْاِيه (مجادلہ۔ ۱۷) لَا تَخْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ۔ ۶۷) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُونَ۔ (نحل۔ آخر آیت) اِنِّیْ مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَرٰی (طہ۔ ۳۷) اور بچہ کا باپ جو چھت پر ہو، کہتا ہے۔ لَا تَخَفْ اِنَّا مَعَكَ یہاں تنبیہ ہے اس پر کہ معیت حکم حال کی موجب ہے (ناظرین اس مثل میں مدعی کے ادب اور اپنے مقاصد کے بار آور بنانے میں اس کے حسن الفاظ پر غور فرمائیں۔) ففرق بین المعیة و بین مقتضاها المفہوم من معناها الذی یختلف باختلاف المواضع۔

”ناظرین! اس عبارت کو سمجھیں جو نہ عربیت ہے نہ عجمیت۔ پاک ہے

وہ ذات جس کی تسبیح مختلف زبانوں میں کی جاتی ہے۔ ”پس لفظ معیت کتاب و سنت میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور ہر جگہ وہ ایسے امور کا مقتضی ہے جن کا وہ دوسری جگہ مقتضی نہیں ہے۔ ”یہ حرف مدعی کی عبارت ہے۔ (پس مع کی دلالت بحسب مواضع مختلف ہوتی ہے۔ یا وہ اپنے تمام موارد میں قدر مشترک پر دلالت کرتا ہے، اگرچہ ہر موضع ایک خاصیت سے ممتاز ہوتا ہے۔ (اس مدعی کی تقسیم اور حسن تصرف پر غور کرنا چاہیے۔) بہ ہر دو تقدیر آیت کا مقتضایہ نہیں ہے کہ رب کی ذات مخلوق کے ساتھ مختلط ہو، تاکہ کہا جائے کہ یہ ظاہر سے معروف ہے۔ (پھر مدعی نے دوسری جگہ کہا ہے) جس شخص نے جان لیا کہ معیت انواع مخلوقات میں سے ہر نوع کی طرف منسوب ہے جیسا کہ مثلاً ربوبیت کی نسبت اور یہ کہ اِسْتَوَاءٌ عَلَى الشَّيْءِ عَرْشٌ ہي ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ علو و فوقیت حقیقی سے متصف ہے اور سفول و تخفیت سے ہرگز متصف نہیں، نہ حقیقتاً نہ مجازاً۔ اس نے قرآن کو جیسا کہ وہ ہے بغیر تحریف کے جان لیا (ناظرین! ان مقدمات قطعیہ اور عباراتِ مرائقہ جلیلہ پر غور کریں۔ استواء علی الشیء کا حصر عرش میں کر دینا تو ایسا ہے کہ قطع نظر از جاہل کوئی عقلمند تو اس کا قائل نہیں۔ جو شخص یہ وہم کرے کہ آسمان میں اللہ کا ہونا بدین معنی ہے کہ آسمان اس کا احاطہ کئے ہوئے اور اسے گھیرے ہوئے ہے، وہ جھوٹا ہے، اگر اسے غیر سے نقل کرے اور گمراہ ہے اگر اپنے رب کی نسبت ایسا یقین رکھے۔ ہم نے تو کسی کو اس لفظ سے ایسا سمجھتے نہیں سنا اور نہ کسی کو دوسرے سے ایسا نقل کرتے دیکھا۔

(ناظرین کو معلوم رہے کہ فہم قابل سماعت ہے) اور اگر تمام مسلمانوں

سے پوچھا جائے کہ کیا اللہ و رسول کے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو گھیرے ہوئے ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک یہ کہنے میں جلدی کرے گا کہ یہ بات تو شاید ہمارے ذہن میں بھی نہیں آئی۔ جب حقیقت حال اس طرح ہے۔ تو یہ تکلف ہے کہ ظاہر لفظ کو ایک ناممکن چیز قرار دیا جائے جسے لوگ اس لفظ سے نہ سمجھتے ہوں۔

(پھر مدعی بارادہ تاویل کہتا ہے۔) بلکہ مسلمانوں کے نزدیک یوں ہے کہ اللہ کا آسمان میں ہونا اور عرش کے اوپر ہونا ایک ہی بات ہے، کیونکہ سماء سے مراد علو ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ اللہ علو میں ہے، نہ کہ سفلی میں (اس مدعی نے ایسا کیا ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ اسے خوب یاد رکھیں اور جان لیں کہ یہ لوگ اپنے گھراپنے ہی ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑتے ہیں۔) اور بے شک مسلمانوں کو معلوم ہے۔ کہ ”اس کی کرسی میں آسمانوں اور زمین کی گنجائش ہے۔“ اور کرسی عرش میں مثل ایک حلقہ کے ہے جو کسی بیابان کی زمین پر پھینک دیا گیا ہو اور عرش اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ جس کو کوئی نسبت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عظمت سے۔ اس کے بعد کوئی وہم کرنے والا کس طرح وہم کر سکتا ہے۔ کہ ایک مخلوق اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَا صَلَبَتْكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ (ظہ - ع ۳)۔ فسیروا فی الارض (آل عمران - ع ۱۳) اسی طرح کی اور آیتیں ہیں جن میں فی بمعنی علی ہے۔ یہ کلام عربی حقیقت ہے نہ کہ مجاز۔ جو شخص معنی حروف کے حقائق سے واقف ہے، وہ اسے جانتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ یہ اکثر متواطی^(۳۰) ہیں۔ (یہ آخر ہے اس کا جس کے ساتھ مدعی نے تمسک

کیا ہے۔) ہم جواب میں گزارش کرتے ہیں کہ پہلے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ کلمہ مع لغت میں مطلق مقارنت کے لئے ہے جس میں مماس و محاذات کی قید نہیں۔

وہ مقارنت ہے کیا؟ اگر مقارنت سے ایسی صفت نہ سمجھی جائے جو جسمیت کے لئے لازم ہے تو ہمارا مقصود حاصل ہے۔ اگر اس کے سوا سمجھا جائے۔ تو دیکھنا چاہیے کہ مقارنت کے ایسے معنی عرب سمجھتے ہیں یا نہیں۔ پھر مدعی نے یہ جو کہا کہ کلمہ مع معانی میں سے کسی معنی کے ساتھ مقید ہو، تو وہ اس معنی سے مقارنت پر دلالت کرتا ہے۔ ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ ایسا مطلب کس نے سمجھا ہے؟ مدعی نے جو یہ کہا کہ ان تمام آیتوں میں معیت علم کے معنی میں ہے، ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ معنی تم نے کہاں سے لئے۔ اگر وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَآبِعُهُمْ الْإِله۔ یہ قول معیت بالعلم پر دلالت کرتا ہے اور یہ دلالت بر سبیل حقیقت ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ تو نے پورے پیانے سے مپا ہے۔ ہمارے واسطے بھی اسی کی مثل پیانہ سے مپ اور جان لے کہ کلمہ فوق جس طرح علو فی الجهة کے لئے مستعمل ہے۔ اسی طرح علو فی المرتبة والسلطنة والملک کے معنی میں آتا ہے۔ یہی حال استواء کا ہے، پس یہ دونوں متواظی ہیں جیسا کہ تو نے ذکر کیا حرف بحرف اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ (انعام۔ ع ۳) وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف۔ ۹۵) يَذَّالِلُ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ۔ (فتح۔ ع ۱۱) وَأَنَا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ (اعراف۔ ع ۱۵) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (زخرف۔ ع ۳) اور یہ معلوم ہے کہ ان آیات میں فوق سے مراد

جست علو نہیں۔ پس تو بحث کا اعادہ کر اور کہہ دے کہ وہ فوق العرش ہے، استیلاء کے ساتھ۔ اسی طرح حدیث اوعال میں ہے جس طرح تو نے کلمہ مع میں کیا، اسی طرح کلمہ فوق میں کر اور اس کی توجیہ کر جیسا کہ تو نے مع کی توجیہ کی ورنہ سب کو ترک کر۔ پھر مدعی نے یہ جو کہا کہ جس شخص نے جان لیا کہ معیت انواع مخلوقات میں سے، ہر ایک نوع کی طرف منسوب ہے اور استواء علی الشیئی عرش ہی ہے۔ سو ہم گزارش کرتے ہیں کہ ہم تجھے ایسا شخص دکھلا دیتے ہیں جو معیت کا استعمال کرتا ہے اور جانتا ہے کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بلا دلیل ہے۔ کیونکہ تو نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ ورنہ تو ایک ایسا لفظ دکھا دے جو قطعی طور پر دلالت کرے کہ لفظ فوق استواء فی جہت العلو کے لئے ہے۔

کاش! میں جانتا کہ تجھے یہ کہاں سے معلوم ہے کہ معیت بالعلم حقیقت ہے اور آیہ استواء اور حدیث اوعال دونوں اللہ تعالیٰ کے فوقیتہ حقیقیہ کے ساتھ متصف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ بجز کشف کے ایسا نہیں ہو سکتا۔ ورنہ دلیلیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات اور شرائع کی پہچان کے لئے مقرر کی ہیں، مدعی نے ان میں سے ایک حرف بھی اپنے دعویٰ کے موافق ذکر نہیں کیا۔ اور اس کا قوم گڑھے ہی میں پڑا ہے۔ مدعی نے یہ جو کہا کہ اللہ تعالیٰ سفول و تحتیت سے متصف نہیں، نہ حقیقتاً نہ مجازاً، سو کاش! میں جانتا کہ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ جس کے سبب سے اس کو اس بارے میں کلام کرنا پڑا۔ پھر مدعی نے یہ جو کہا کہ جو شخص وہم کرے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے، بدیں معنی کہ آسمان اس کو گھیرے ہوئے ہے، وہ جھوٹا ہے اگر اسے غیر سے نقل کرے اور گمراہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ اعتقاد رکھے۔ سو ہم کہتے ہیں۔ اے مدعی! کہہ جو تو سمجھتا

ہے اور سمجھ جو تو کہتا ہے، اور لوگوں سے افادۂ واستفادہ کے کلام کر جیسا کہ عاقل عاقل سے کیا کرتا ہے۔ لفظ فی سے تو ظرفیت (یا جو معنی ظرفیت میں ہو) کے سوا کچھ اور نہیں سمجھا جاتا۔ جب یہ حال ہے۔ تو کیا کوئی عاقل سمجھتا ہے کہ ظرف بعض یا کل کے احاطہ سے منفک ہوتا ہے۔ کیا ایسا کسی نے سنایا کسی کے خیال میں آیا کہ فی جہت کے معنی میں حقیقت ہے اور اس سے بعض یا کل کا احتواء و احاطہ مفہوم نہیں ہوتا، اگر مراد یہ ہو کہ لوگ اپنی عقلوں کو بیکار کر دیں اور تو ہی کلام کرے اور وہ تیری تقلید و تصدیق کریں۔ تو پھر کوئی مخالف تجھ پر اعتراض نہ کرے گا، رہا مدعی کا یہ قول کہ ”اگر تمام مسلمانوں سے پوچھا جائے کہ آیا وہ اللہ و رسول کے اس قول سے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے، یہ سمجھتے ہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کو گھیرے ہوئے ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک یہ کہنے میں جلدی کرے گا کہ یہ بات تو شاید ہمارے ذہن میں بھی نہیں آئی۔“ سو ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ اس سے تیری کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ لفظ فی یہ معنی نہیں دیتا۔ تو اس کی بابت کسی ایسے شخص سے نہ پوچھ بیٹھنا جو کلام عرب سے واقف ہو، کیونکہ وہ اس امر میں تیری تصدیق نہ کرے گا کہ یہ لفظ باوجودیکہ ظرفیت کے لئے ہے، یہ معنی نہیں دیتا اور نہ اس امر میں تیری تصدیق کرے گا کہ یہ لفظ جہت کے معنی میں حقیقت ہے۔ اور اگر تیری مراد یہ ہے کہ عقلیں اللہ تعالیٰ کے حق میں اس سے انکار کرتی ہیں۔ تو ہم تیرے ساتھ ہیں اس کے ثابت رکھنے میں اور ہر ایسی شے کی نفی کرنے میں جو اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص کا وہم ڈالے۔

پھر اے مدعی! تیرا یہ قول کہ مسلمان کے نزدیک اللہ کا آسمان میں ہونا اور عرش کے اوپر ہونا ایک ہی بات ہے (اس قابل نہیں کہ کسی کی طرف منسوب کیا

جائے، مگر تیری ہی طرف یا اس کی طرف سے جس سے تو نے یہ عیب سیکھا ہے۔ تو مسلمانوں کو اس غیر معقول امر کا مرتکب قرار نہ دے۔ پھر تو اس امر پر (کہ اللہ کا سماء میں اور عرش کے اوپر ہونا ایک ہی بات ہے۔) یہ دلیل لایا ہے کہ سماء سے مراد علو ہی ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ اللہ علو میں ہے نہ کہ سفلی میں، تو ہی بتا۔ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اور مہاجرین و انصار میں سے اولون سابقون نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علو میں ہے نہ کہ سفلی میں۔ جو کچھ تو نے آغاز مقدمہ سے آخر مقدمہ تک کہا ہے، اگر اسے تسلیم کیا جائے۔ تو اس کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا وصف استواء علی العرش اور فوق العرش ہونے کے ساتھ کیا ہے۔

رہا یہ کہ سماء سے مراد جہت علو ہے۔ سو مجھے جو کچھ ملا اس کا نقل کرنا تیرے واسطے کافی ہے۔ پھر یہ جو تو نے کہا کہ ”مسلمانوں کو معلوم ہے کہ اس کی کرسی میں آسمانوں اور مین کی گنجائش ہے اور کرسی عرش میں مثل ایک حلقہ کے ہے جو کسی بیابان کی زمین میں پھینکا گیا ہو۔“ سو کاش! میں جانتا کہ جب حدیث اوعال تجھے بتاتی ہے کہ اللہ عرش کے اوپر ہے، تو اس حدیث کے درمیان اور فرشتوں کے اس سماء کی طرف چڑھنے کے درمیان کہ جس میں اللہ ہے کیونکر تطبیق ہو سکتی ہے، اور باوجود اس کے اللہ سماء میں حقیقتاً کس طرح ہو گا؟ شاید! بغرض تطبیق تو کہے کہ سماء سے مراد جہت علو ہے۔

کاش! میں جانتا کہ آیا ممکن ہے کہ تو اس تطبیق کے بعد جو توقیف و توفیق سے خالی ہے: یہ کہے کہ اللہ سماء میں حقیقتاً ہے اور سماء پر حقیقتاً ہے اور عرش میں حقیقتاً ہے اور عرش کے اوپر حقیقتاً ہے۔ پھر سماء کی حقیقت یہی چیز ہے جو

دکھائی دیتی اور محسوس ہوتی ہے۔ جس شخص کے ذہن میں سمونہ آیا ہو، وہ اسی پر سماء کا اطلاق کرتا ہے۔ رہا اصل اشتقاق۔ سو معنی سمو کے دوسرے معنوں یعنی چھت اور بادل پر کوئی فضیلت نہیں، بڑی برکت ہے اللہ کی جو عقلوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ پھر اس کے بعد تیرا یہ کہنا کہ عرش اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جس کو کوئی نسبت نہیں مگر اللہ کی قدرت اور اس کی عظمت۔ اگر اس عبارت میں الا ہے جیسا کہ ہم نے دیکھا، تو تو نے عرش کی نفی کی اور جہت ہی کو قدرت و عظمت بنا دیا اور تیرے کلام کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی جہت اس کی قدرت و عظمت ہے۔ اس صورت میں تو نے وہ کہا جو سمجھ میں نہیں آتا اور نہ ایسا کسی اور نے کہا ہے اور اگر یہ لفظ الیٰ ہو۔ تو تو نے سچ کہا اور حق کہا اور اس کے خلاف کہا کس نے؟ مجھے اپنی زندگی کی قسم! کہ ہم نے اس مقام کی ترمیم کر دی اور اصلاح بتا دی، پھر تو نے کہا کہ اس کے بعد کوئی کس طرح وہم کر سکتا ہے کہ مخلوق اس کو گھیر لے؟ ہم کہتے ہیں، ہاں! ہماری یہ ساری زحمت اس شخص کے سبب سے ہے جو حصر کا مدعی اور موہم ہے۔ پھر تو نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَلَا صَلَبَيْنَكُم فِي جُذُوعِ النَّخْلِ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ یہاں جذوع (شاخوں) میں تمکین و استقرار ثابت ہے۔ کیونکہ مصلوب کی تمکین شاخ میں مثل اس تمکین کے ہے جو (منظروف کی) طرف میں ہو۔ یہی حکم اللہ تعالیٰ کے قول قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ (میں ہے۔ یہ جو ہم نے ذکر کیا یہی جواب ہے حدیث اوعال اور حدیث قبض روح اور حدیث عبداللہ^(۲۱) بن

رواحہ رضی اللہ عنہ اور حدیث امیہ بن ابی الصلت کا اور اس کے اس قول کا

مجدوا اللہ فهو اهل لمجده ربنا في السماء امسى كبيرا

مدعی سے کہا جائے کہ اگر تو اس شعر میں صرف فی السماء روایت کرتا ہے اور اس کے آگے امسی کبیرا نہیں لاتا۔ تو اکثر اس امر کا وہم ہوتا ہے۔ جس کا تو دعوے کرتا ہے۔ لیکن اس صورت میں نہ شعر رہے گا نہ قافیہ۔ اگر امیہ نے کہا ہے ربنا فی السماء امسی کبیرا۔ تو تو بھی ایسا ہی کہہ دے اس صورت میں معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں بڑا ہے۔ اگر تو اعتراض کرے کہ اللہ زمین میں بھی بڑا ہے، آسمان کو کیوں خاص کیا گیا؟ ہم جواب دیں گے کہ آسمان کی تخصیص اس امر کے سبب سے ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں۔ یعنی خدا کی تعظیم جو آسمانوں والے کرتے ہیں وہ زمین والوں کی تعظیم سے زیادہ ہے۔ اس لئے کہ فرشتوں میں کوئی ایسا نہیں جو پتھر کو تراشے اور اس کی پوجا کرے اور نہ ان میں کوئی دہری ہے، نہ معطل نہ مشبہ۔ امیہ کا خطاب کفار عرب سے ہے جنہوں نے ہبل ولات و منات و عزیٰ وغیرہ کو خدا کا شریک ٹھہرایا ہوا تھا اور عرب کو معلوم تھا کہ آسمان والے ان کی نسبت زیادہ عالم ہیں، یہاں تک کہ وہ کاہن کی بات کو اختیار کرتے جو اس جن سے سنتا تھا جو فرشتے سے چوری سے کوئی کلمہ سن لیتا۔ پھر اس کے ساتھ سینکڑوں جھوٹی باتیں ملا دیتا۔ فرشتوں کی نسبت ان کے اعتقاد کو اسی پر قیاس کر لیجئے۔

لہذا امیہ نے فرشتوں کے ساتھ حجت پکڑی اور یہ بعید نہیں اور نہ کسی امر قطعی کے خلاف ہے۔ پھر مدعی نے کہا کہ یہ بالبداہت معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ ہیں، انہوں نے اپنی فرمانبرداری امت کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور وہ سماء کے اوپر ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ صریحاً غلط ہے، آپ نے تو ان کو یہ بتایا۔ ”اللَّهُ أَسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ“ یہی

آنحضرت ﷺ کی تبلیغ سے بطریق تواتر ثابت ہے اور مدعی نے یہ اخبار جو ذکر کئے ہیں، وہ آحاد ہیں جن پر جمع کثرت صادق نہیں آتی اور ان میں اس کے لئے کوئی حجت نہیں اور یہ واضح ہے اس شخص کے لئے جس نے رسول اللہ ﷺ کا کلام سنا اور عرب کے استعمال کے مطابق اس کے معنی لئے اور غیر لغت عرب کو اس میں دخل نہ دیا۔

پھر تو نے کہا۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں عرب و عجم کو جاہلیت و اسلام میں پیدا کیا مگر وہ جس کو شیطان نے اس کی فطرت و سرشت سے پھیر دیا۔ یہ کلام اول سے آخر تک قیل کے ساتھ معارض ہے اور ترجیح ہمارے ساتھ ہے۔ پھر تو نے کہا کہ سلف کے اس بارے میں اس قدر اقوال ہیں کہ اگر جمع کئے جائیں۔ تو دو لاکھ تک پہنچ جائیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر سلف سے تیری مراد مشبہ کے سلف ہیں جیسا کہ تیرے کلام میں آئے گا، تو اکثر اس تعداد کے قریب ہوں گے اور اگر امت کے سلف صالحین مراد ہوں۔ تو ایک آدھ بھی نہ ہو گا۔ لیجئے ہم ہر مقام اور ہر میدان میں اللہ تعالیٰ کی قوت و توانائی سے تیرے ساتھ ہیں۔ پھر تو نے کہا کہ نہ کتاب اللہ میں، نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں، نہ سلف امت میں سے کسی کی طرف سے، نہ صحابہ کی طرف سے، نہ تابعین کی طرف سے ایک حرف پایا جاتا ہے۔ نہ بطریق نص نہ ظاہر جو اس کے مخالف ہو، تو شروع میں کہہ چکا ہے کہ میں وہی کہوں گا جو اللہ اور اس کے رسول اور مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے کہا ہے۔ یہاں سابقون اولون سے مراد تیرے عقیدہ کے مشائخ ہوں گے۔ تو نے عشرہ مبشرہ اور اہل بدر و حدیبیہ کو سلف سے اور تابعین کو متابعت سے جدا کر دیا ہے۔ پھر تو نے کہا کہ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ

اللہ غیر سماء میں نہیں ہے اور نہ یہ کہ وہ عرش پر نہیں ہے اور نہ یہ کہ وہ ہر مکان میں ہے اور نہ یہ کہ تمام مکانات اس کی نسبت برابر ہیں اور نہ یہ کہ وہ عالم میں داخل ہے اور نہ یہ کہ وہ اس سے خارج ہے اور نہ متصل ہے نہ منفصل۔

ہم کہتے ہیں کہ تو نے دعوے کو عام بنا دیا۔ پس تو نے وہ ذکر کیا جو تیرے علم میں نہیں۔ ہم نے تیرے واسطے امام جعفر صادق۔ جنید۔ شبلی۔ جعفر بن نصیر اور ابو عثمان مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال نقل کر دیئے ہیں جن میں کفایت ہے۔ اگر تو ہماری نقل میں یا ان بزرگوں میں طعن کرے گا۔ تو ہم تیری نقل میں اور بالخصوص تیرے ہم عقیدہ منقول عنہم میں طعن کریں گے، تیرے ہم عقیدہ اصحاب کے سوا کوئی اور تیرے موافق نہیں۔ پھر تو ہی ہے جس نے کہہ دیا وہ جو نہیں فرمایا اللہ نے، نہ اللہ کے رسول نے، نہ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے، نہ تابعین نے اور نہ مشائخ امت نے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی ایک حرف تک اس بارے میں زبان پر نہیں لایا کہ اللہ تعالیٰ جت علو میں ہے۔ مگر تو نے کہہ دیا اور تصریح کر دی اور بحث کی اور تو سمجھا کہ یہ جو آیا ہے کہ اللہ آسمان میں ہے اور آسمان کے اوپر ہے اور عرش میں ہے اور عرش کے اوپر ہے۔ اس سب سے مراد جت علو ہے۔ تو بتا تو سہی، کسی نے ایسا کہا۔ کیا اللہ نے ایسا فرمایا؟ یا اس کے رسول نے یا مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون نے؟ یا ان کے تابعین نے۔ تو ہمیں بے سند و غیر معروف امور کے ساتھ کیوں ڈراتا ہے؟ مدد اللہ کی طرف سے ہے۔

اس کے بعد مدعی نے اللہ تعالیٰ کی طرف انگلی وغیرہ کے ساتھ اشارہ کے جائز ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے

کہ آپ خطبہ عرفات میں فرمانے لگے۔ ”آگاہ رہو! کیا میں نے (حکم شریعت) پہنچا دیا۔“ صحابہ کرام عرض کر رہے تھے کہ ہاں! پس حضور اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے اور ان کی طرف جھکاتے تھے۔ اور کئی بار فرماتے تھے۔ ”یا اللہ! تو گواہ رہ۔“ بتا! دلالت کی کس قسم سے یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی طرف اشارے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ جو کچھ آنحضرت ﷺ کی طرف سے صادر ہوا وہ تو صرف اتنا ہے کہ آپ نے اپنی انگشت مبارک اٹھالی، پھر صحابہ کرام کی طرف جھکا دی۔ کیا اس میں دلالت ہے اس امر پر کہ آپ اپنی انگشت مبارک سے اللہ تعالیٰ کی جہت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے؟ لیکن حدیث جہت تو ایسے محکم طور پر مدعی کے ذہن نشین ہو گئی ہے کہ اگر وہ فرائض و وصایا و احکام حیض کا بھی کوئی مشکل مسئلہ سن لے۔ تو پکار اٹھے کہ یہ جہت پر دلالت کرتا ہے۔

متکلمین پر طعن اور اس کا جواب

اس کے بعد مدعی نے ستم ڈھایا اور یوں کہا ہے۔ ”نفی کرنے والے سابقون جو کچھ ایسی عبارتوں سے کہتے ہیں اگر وہی حق ہو، نہ کہ وہ جو کتاب و سنت سے نصاً یا ظاہراً سمجھا جاتا ہے، تو کیسے جائز ہے اللہ تعالیٰ پر، پھر اس کے رسول ﷺ پر پھر جبر الامہ پر کہ وہ ہمیشہ حق کے خلاف بطور نص یا ظاہر کلام کیا کریں اور حق کو جس کا اعتقاد واجب ہے کبھی ظاہر نہ کریں اور نہ نصاً یا ظاہراً اس کی طرف رہنمائی کریں، یہاں تک کہ عوام اہل فارس و روم اور ہچکان یہود آکرامت کے لئے صحیح عقیدہ بیان کریں جس کا اعتقاد ہر مولف یا فاضل پر واجب ہو۔ جو کچھ یہ متکلمین کہتے ہیں اگر وہی اعتقاد واجب ہوتا اور لوگ باوجود اس کے محض اپنی عقلوں پر چھوڑ دیئے جاتے تاکہ اپنی عقلوں کو قیاس کے مقتضا

کے ساتھ اس امر کو رد کر دیا کریں جس پر کتاب و سنت نصاً یا ظاہراً دلالت کرے۔ تو اس صورت میں لوگوں کو کتاب و سنت کے بغیر رہنے دینا ان کے لئے زیادہ ہدایت بخش و نفع بخش تھا۔ بلکہ اصول دین میں کتاب و سنت کا وجود سراسر نقصان تھا۔ کیونکہ ان متکلمین کے قول کی بنا پر حقیقت امریوں تھی کہ اے معشر عباد! تم اللہ تعالیٰ کی معرفت کو اور ان صفات کو جن کا وہ نفیاً یا اثباتاً مستحق ہے کتاب و سنت میں تلاش نہ کیا کرو اور نہ طریق سلف امت میں اسے جب تم دیکھ لیا کرو۔ جن صفات کا اسے مستحق پاؤ ان کے ساتھ اس کا وصف کر دیا کرو، خواہ وہ کتاب و سنت میں موجود ہوں یا نہ ہوں اور اپنی عقلوں میں جن صفات کا مستحق اسے نہ پاؤ ان کے ساتھ اس کا وصف نہ کیا کرو۔“

پھر مدعی نے کہا کہ ”متکلمین دو فریق ہیں۔ ان میں سے اکثر کہتے ہیں کہ جس بات کو تمہاری عقلیں ثابت نہ کریں اس سے نفی کر دو۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس میں توقف کرو، اور تمہاری عقلوں کا قیاس جس چیز کی نفی کرے جس میں تم روئے زمین پر تمام اختلاف سے بڑھ کر اختلاف رکھنے والے ہو، اس کی نفی کر دو اور شارع کا قول ہے کہ تنازع کے وقت تم اس (قیاس) کی طرف رجوع کیا کرو۔ کیونکہ یہی حق ہے جس کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اور جو کتاب و سنت میں ایسا امر مذکور ہو جو تمہارے اس قیاس کے مخالف ہو یا ثابت کرتا ہو وہ امر جسے تمہاری عقلیں ان میں سے اکثر کے طریقہ پر ادراک نہ کر سکتی ہوں۔ تو جان لو کہ اس کی تنزیل سے میں نے تمہارا امتحان کیا ہے۔ اس واسطے نہیں کہ تم اس سے ہدایت اخذ کرو، بلکہ اس واسطے کہ تم اس کی تخریج میں بنا بر شواذ لغت دو حسی الفاظ و غرائب کلام سے اجتہاد کرو یا سکون اختیار کرو اور اس کا علم مجھ پر

چھوڑو۔“ بقول مدعی بنا برائے متکلمین حقیقت امر یہی ہے۔ شیطان نے لپٹ کر اس کے حواس کھودیئے ہیں۔

ہم اس سے کہتے ہیں کہ اعمین (بصیغہ جمع) اور وجہ و جنب و ساق و ایدی کا جو ذکر (اللہ تعالیٰ کے لئے) آیا ہے۔ اگر ہم اس کے ظاہر کو لیں تو ایسے شخص کا ثبوت لازم آتا ہے، جس کا ایک چہرہ، بہت سی آنکھیں ایک پہلو، بہت سے ہاتھ اور ایک پنڈلی ہو۔ دنیا بھر میں ایسے شخص سے بد صورت کون ہو گا؟ پس کوئی عاقل کس طرح کہہ سکتا ہے کہ رب العالمین ایسی صورت سے موصوف ہے۔) اگر تو بطریق (۳۲) جمع و تفریق اس میں تصرف کرے۔ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور سلف امت نے ایسا ذکر کیوں نہیں کیا؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ہر عالم جانتا ہے کہ وہ نور جو دیواروں اور جتوں پر اور راستوں اور باغوں میں ہے، وہ اللہ تعالیٰ نہیں اور نہ مجوس اس کے قائل ہیں۔ اگر تو کہے کہ اللہ آسمانوں اور زمین کا ہادی اور ان کا روشن کرنے والا ہے۔ تو ایسا کیوں نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور نہ اس کے رسول نے اور نہ سلف امت نے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ اس کا مقتضایہ ہے کہ اللہ پرانے کپڑے کے اندر ہو۔ مگر اسے بیان کیوں نہیں کیا اللہ نے نہ اس کے رسول نے اور نہ سلف امت نے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اور معلوم ہے کہ تقرب فی الجہت مسافت ہی کے لئے ہوتا ہے۔ پس اس کو بیان کیوں نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے نہ اور اس کے رسول نے اور نہ سلف امت نے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ یہ ہی ارشاد الہی ہے۔ ”وَجَاءَ رَبُّكَ فَاتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ۔“

یوں بھی ارشاد ہے۔ ”وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنْ رَبِّهِمْ مُحَدَّثٌ“۔ آنحضرت ﷺ اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ سے بطور حکایت فرماتے ہیں۔

مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شَبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ أَتَانِي يَمْشِي أَيْتَةً هَرُولَةً۔ اور حدیث میں ثابت ہے اَجِدُ نَفْسَ الرَّحْمَنِ مِنْ قَبْلِ الْيَمَنِ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ يَمِينُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ۔ اور آپ اپنے پروردگار سبحانہ و تعالیٰ سے بطریق حکایت فرماتے ہیں۔ إِنَّا جَلِيسٌ مِنْ ذِكْرِنِي۔ کیا تو مجسم سے امن میں رہ سکتا ہے کہ تجھ سے یوں کہہ دے کہ ان آیات و احادیث کے ظواہر اس کثرت سے ہیں کہ ان کی گنتی احادیث کثیرہ جہت سے کئی گناہ ہے۔ اگر حال ایسا ہی ہو جب کہ تو جسمیت کی نفی میں کہتا ہے باوجودیکہ ان میں سے کسی میں ایسا امر جو ان کے ظواہر کے خلاف بیان کرے، نہیں آیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، نہ اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اور نہ سلف امت کی طرف سے۔ اس صورت میں مجسم تیرے واسطے تیرے ہی پیمانہ سے ماپ دے گا اور تجھ سے کہہ دے گا کہ اگر یہی حال ہے جیسا کہ تو نے کہا۔ تو لوگوں کو کتاب و سنت کے بغیر رہنے دینا ان کے لئے زیادہ ہدایت بخش تھا اور اگر تو کہے کہ عموماً ان کے ظواہر کے خلاف بیان کر دیا ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ ہم نے ان میں سے جسمیت کا ثانی ایسا نہیں پایا جو جہت کا بھی زاعی نہ ہو۔ علاوہ ازیں تو تباخی سے امن میں نہیں رہ سکتا جو اللہ تعالیٰ کے قول فِيْ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ سے اپنا مذہب ثابت کرتا ہے اور تو معطل (۲۳) سے نہیں بچ سکتا جو اللہ تعالیٰ کے قول مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ سے اپنا مطلب نکالتا ہے۔ اس صورت میں

تیرے واسطے اس نقص سے بچنے کی راہ سوائے ان دلیلوں کے نہ ملے گی جو ان الفاظ سے خارج ہیں۔ پھر تیرا حاصل کلام یہ ہوا کہ شافعیہ و حنفیہ و مالکیہ کے قول کو لازم ہے کہ لوگوں کا بغیر کتاب و سنت کے رہنے دینا ان کے لئے زیادہ ہدایت بخش تھا۔

کیا تو دیکھتا ہے کہ وہ اس پر تیری تکفیر کرتے ہیں یا نہیں۔ پھر تو نے کلام متکلمین کا مقتضایہ قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور سلف امت نے عقیدہ کو بیان نہ کیا یہاں تک کہ ان لوگوں نے اسے بیان کر دیا۔ تو ہمیں بتا کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور سلف امت نے یہ عقیدہ بیان کر دیا جو ان سے منقول ہو کہ وہ تیری طرح کہتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ جہت علو میں ہے نہ کہ جہت سفلی میں، اور یہ کہ اس کی طرف اشارہ حیہ جائز ہے۔ پھر جب تو ایسا نہ پائے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ اس کے رسول ﷺ کے کلام میں۔ نہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کے کلام میں اور نہ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون کے کلام میں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تو اپنے نفس کو ملامت کر اور کہہ دے کہ میں نے متکلمین پر وہ بات تھوپ دی جو ان میں نہ تھی۔ پھر تو نے متکلمین کی نسبت کہہ دیا کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ جو بات عقلوں کے قیاس کے موافق ہو اسے مان لو، ورنہ اس کی نفی کر دو۔ مگر متکلمین نے ایسا نہیں کہا۔ بلکہ انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کمال کا ثبوت واجب ہے اور صفت نقص کی نفی اس سے ضروری ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے وارد ہے، اسے لغت عرب پر پیش کیا جائے کہ جن کی لغت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو بھیجا ہے۔

چنانچہ قول باری تعالیٰ ہے۔

”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ“

(اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر بولی بولتا اپنی قوم کی۔ (ابراہیم - ع) ۱۱)

پس جو کچھ عرب سمجھے وہی تو سمجھ۔ جو شخص اس کے خلاف تجھ کو بتائے، اس کے کلام کو ٹوٹے نعل کی طرح پھینک دے اور اس کے قول کو باغ کی دیوار پر دے مار۔ مدعی کی طعن کی تردید کے بعد ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایک فصل باندھیں گے۔ جس میں بتائیں گے کہ یہ آیتیں اس وجہ پر کس واسطے وارد ہوئی ہیں۔ مدعی نے جماعت کی مخالفت میں جو زبان درازی کی ہے اور اس مسئلہ میں برا مسلک اختیار کیا ہے، وہ ان کمینہ لمحدوں سے لیا ہے، جو قرآن میں طعن کرتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی کو بیان کریں گے۔ تب اس کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاسفہ و یہود کے بچے کون ہیں، پھر اگر یہ غافل حیاء کرتا تو علماء امت رحمہم اللہ تعالیٰ کی قدر جانتا، وہ بتاتے تو سہی کہ جن علماء کو وہ فلاسفہ و یہود کے بچے بتا رہا ہے ان کے سوا اور کس نے ان فلاسفہ و یہود اور روم و فارس کی تردید کی ہے۔ انہوں نے ان طوائف کی تردید میں ان لوگوں پر اعتماد نہیں کیا جن کو نہ عقل ہے، نہ بصیرت، نہ ادراک۔

پھر اس کے بعد مدعی نے یہ بیان کیا ہے کہ امور عامہ سے جب نفی کی جائے۔ تو ان کی دلالت بہ سبیل چیتان ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مجسم تجھ سے کہے گا کہ نفی جسمیت پر امور عامہ کی دلالت چیتان ہے۔ اس کے بعد مدعی نے کہا! یا سبحان اللہ! کیوں نہیں فرمایا کسی دن رسول اللہ ﷺ نے اور نہ سلف امت میں سے کسی نے، کہ ان آیات و احادیث کے مدلول پر اعتقاد نہ

رکھو، ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مجسم تجھ سے کہے گا۔ یا سبحان اللہ! کیوں نہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اور نہ سلف امت میں سے کسی نے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں ہے اور نہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ حدیثیں جو جسمیت کی موہم ہیں ان کے ظواہر پر اعتقاد نہ رکھو۔ پھر مدعی نے رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو آپ نے فرقہ ناجیہ کی صفت میں فرمایا کہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

وجہ استدلال یوں کہ آنحضرت ﷺ نے یوں کیوں نہ فرمادیا کہ آیات اعتقاد میں جو شخص ظاہر قرآن سے تمسک کرے وہ گمراہ ہے اور ہدایت صرف عقلوں کے مقایس کی طرف تمہارا رجوع کرنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مدعی نے طمع سازی کی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریق اس بارے میں کلام کرنے سے باز رہنا ہے۔ ہمارا اسی پر عمل ہے، مگر مدعی ساکت نہیں۔ اس کا طریق کلام کرنا اور اللہ تعالیٰ کو جنت علو کے ساتھ وصف کرنا اور اس کی طرف اشارہ حیہ کا جائز رکھنا ہے۔

کاش! میں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے موافق کون ہے؟ ہم یا وہ کسی نے سچ کہا ہے۔ رہمتی بدانہا وانسلت (اس نے اپنا عیب مجھ پر تھوپ دیا اور نکل گئی۔) پھر جسم اس سے ٹھیک اسی طرح کہے گا جو اس نے ہم سے کہا، اور ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں کیوں نہ فرمادیا کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو کہے کہ اللہ تعالیٰ جنت علو میں ہے اور اس کی طرف اشارہ حیہ جائز ہے، اگر وہ جواب دے کہ یہ سلف اور صحابہ کا طریقہ

ہے۔ ہم کہیں گے کہ اس کا کیا ثبوت ہے؟ اس طرح تو ہر ایک مبتدع دعویٰ کرے گا۔

اس کے بعد مدعی نے اس مقالہ کے اسناد میں کہا کہ یہ تلافیہ یسود و مشرکین و گمراہ صائبین سے ماخوذ ہے، کیونکہ پہلا شخص جس سے یہ مقالہ ثابت ہے وہ جعد بن درہم ہے۔ جعد سے جہم بن صفوان نے لیا اور ظاہر کر دیا۔ پس جہمیہ کا قول اسی کی طرف منسوب ہو گیا، جعد نے اس کو ابان بن سمعان سے لیا اور ابان نے لبید بن اعسم کی بہن کے بیٹے طلوت سے لیا اور طلوت نے لبید یسودی سے لیا جس نے نبی ﷺ کو جادو کر دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جعد حران کے باشندوں میں سے تھا۔ مدعی سے جواب میں کہا جائے کہ تو نے اس دعویٰ میں کہ یہ مقالہ تلافیہ یسود سے ماخوذ ہے، ہدایت کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ تمام خواص اور بہت سے عوام پر پوشیدہ نہیں کہ یسود مجسمہ مشبہ ہیں۔ تجسیم و تشبیہ کی ضد ان سے کس طرح ماخوذ ہو سکتی ہے، رہے مشرکین، سو وہ بت پرست تھے اور ائمہ نے بتا دیا ہے کہ بت پرست مشبہ کے شاگرد ہیں اور بت پرستی کی اصل تشبیہ ہے۔ پس تشبیہ کی نفی ان سے کیسے ماخوذ ہو سکتی ہے؟ باقی رہے صائب۔ سو ان کا شہر معلوم اور ان کی ولایت مشہور ہے۔ کیا ہم وہاں کے ہیں یا ہمارے مخالف؟ جعد بن درہم کا اہل حران میں سے ہونا درست ہے۔ یہ سند جو اس نے ذکر کی ہے اس کی ترتیب کی نسبت اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا اور اللہ تعالیٰ کے گرد گھات میں لگا ہے۔

کاش! مدعی اس کے بعد کہتا کہ میرے دعوے اس پر کرنے کی سند یہ ہے کہ فرعون نے گمان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا آسمان میں ہے۔ پھر

اس قول کو بشر مبنی کی طرف منسوب کرتا اور کہہ دیتا کہ یہی وہ باتیں ہیں جن کو ائمہ نے باطل ثابت کیا ہے اور جن کے ساتھ بشر کی تردید کی ہے اور یہ کہ جو کچھ استاد ابو بکر بن فورک اور امام فخر الدین رازی قدس اللہ روحہما نے ذکر کیا وہی ہے جو بشر نے ذکر کیا ہے اور یہ کذب و باطل سے جو نظر راست کی کسوٹی اور فکر مستقیم کے معیار پر پورا نہیں اترتا، کیونکہ یہ محال ہے کہ ائمہ بشر پر اس واسطے انکار کریں کہ وہ کہتا ہے کہ جو عرب کہتے ہیں اور ان دو اماموں نے وہی کہا ہے جو عرب نے کہا ہے۔ بشر پر انکار اسی صورت میں ہے کہ جہاں وہ لغت عرب کی مخالفت کرتا ہے اور عرب کی طرف سے وہ کہتا ہے جو انہوں نے نہیں کہا۔

صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے اقوال سے استدلال کا

جواب

اس کے بعد مدعی نے اس امر کی تصدیق کے لئے کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو مہاجرین و انصار کا تھا، کئی قول نقل کئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ امام اوزاعی کا قول ہے کہ ہم (اور تابعین کثرت سے تھے) کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر ہے۔ ہم جواب میں گزارش کرتے ہیں کہ تو نے امام اوزاعی اور ان کے طبقہ اور طبقہ مابعد سے شروع کیا ہے۔ مہاجرین و انصار میں سے سابقون اولون کہاں رہے؟ اور تو نے امام اوزاعی کی بھی مخالفت کی ہے، کیونکہ تیرا تو یہ قول ہے کہ اللہ اپنے عرش کے اوپر نہیں۔ اس لئے کہ تیری تقریر کے مطابق عرش اور سماء سے مراد فقط جنت علو ہے اور عرش و سماء کے اوپر ہونے سے یہی مراد ہے۔ اسی طرح تو نے قول اوزاعی کا صریحاً خلاف کیا ہے۔ باوجود اس کے تو نے ہرگز وہ نہیں کہا جو سمجھ میں آسکے، کیونکہ تیری تقریر تو یہ ہے کہ اللہ کی کرسی میں زمین و آسمان کی گنجائش ہے اور کرسی عرش میں ایسی ہے جیسا کہ کسی بیابان میں ایک حلقہ پڑا ہوا ہو۔ تب عرش کیسا ہو گا؟ علاوہ ازیں اوزاعی کے اس نقل کی صحت کا ثبوت کیا ہے؟ اس تمام میں مسامحت کے بعد گزارش ہے کہ اوزاعی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ عرش کے اوپر حقیقتاً ہے۔ اس زیادت کا ثبوت کیا ہے؟

مدعی نے مالک بن انس، ثوری، یسٹ اور اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے احادیث صفات کی نسبت فرمایا کہ ان کو پڑھو جیسا کہ آئی ہیں۔ اس

سے پوچھا جائے کہ تو باز کیوں نہیں رہا جیسا کہ ائمہ نے حکم دیا ہے، بلکہ تو نے تو اللہ کا وصف جنت علو کے ساتھ کر دیا، حالانکہ اس بارے میں کوئی خبر وارد نہیں ہوئی۔ اگر تو زمین کے برابر سونا خرچ کرے تاکہ کسی عالم ربانی سے ایسا سنے، تو نہ سنے گا۔ بلکہ تو نے تو اپنا تصرف کیا اور نقل کیا جیسا کہ تیرے دل میں آیا اور تو نے اتباع نہ کیا اس کا جو ائمہ سے نقل کیا۔ مدعی نے ربیعہ اور مالک کا قول نقل کیا ہے۔ کہ استواء غیر مجہول ہے۔

کاش! میں جانتا کہ کس نے کہا ہے کہ استواء مجہول ہے۔ بلکہ تو نے گمان کیا کہ وہ اس معنی میں ہے جو تو نے معین کئے ہیں اور چاہا ہے کہ اس کو ان دو اماموں کی طرف منسوب کر دے، مگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ پھر اس نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ آپ نے سائل سے فرمایا کہ اس پر ایمان واجب ہے اور اس کی کیفیت کی نسبت سوال کرنا بدعت ہے اور میں تجھے بدعتی سمجھتا ہوں۔ پس آپ کے حکم سے سائل کو نکال دیا گیا۔

کاش! میں جانتا کہ امام مالک کے قول کی پیروی ہم دنوں میں سے کسی نے کی۔ کیا ہم نے پیروی کی، کیونکہ ہم نے اس مسئلہ میں امساک و سکوت کا حکم دیا اور عوام کو اسی میں خوض کرنے سے منع کیا۔ یا اس نے پیروی کی جس نے اپنا سبق و مشق یہ قرار دیا ہے کہ دو سروں کو بتانا اور لکھانا پڑھانا ہے اور عوام کو اس میں خوض کرنے کا حکم دینا ہے۔ کیا اس نے اس مسئلہ میں مستفتی پر انکار کیا اور اس کو نکال دیا جیسا کہ امام مالک نے کیا۔ اب اسے معلوم ہو جائے گا کہ امام مالک کا قول جو اس نے نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے، نہ کہ اس کے حق میں۔

پھر مدعی نے عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشون (متوفی ۱۶۴ھ) کا

قول نقل کیا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ فرقہ جہمیہ^(۲۴) جس چیز کا منکر ہے وہ کس طرح ہے؟ اس پر آپ نے پروردگار عظیم کی صفت میں فرمایا کہ اس کی عظمت وصف و اندازہ سے سبقت لی گئی ہے۔ زبانیں اس کی صفت کی تفسیر سے کند ہیں۔ عقلیں اس کی قدرت کی معرفت سے ورے رک گئی ہیں۔ اس کی عظمت نے عقلوں کو رو کر دیا۔ پس ان کو راستہ نہ ملا، اس لئے ذلیل ہو کر اور تھک کر واپس آگئیں۔ بندوں کو مخلوقات میں صرف نظرو تفکر کا حکم ہے۔

کیف (چگونہ) تو اس کی نسبت کہا جاتا ہے جو ایک وقت نہ تھا پھر موجود ہو گیا، مگر وہ جو متغیر نہیں ہوتا، اور ہمیشہ رہے گا اور رہا ہے، اور جس کی مثل نہیں، اس کی کیفیت کو تو وہی جانتا ہے۔ وہ ذات جس کی ابتداء نہیں۔ جس کو نہ موت ہے نہ کہنگی۔ اس کی عظمت کی مقدار کس طرح پہچانی جاسکتی ہے اور کسی شے کے ساتھ اس کی صفت کی حد و غایت کس طرح ہو سکتی ہے، جسے کوئی عارف پہنچانے، کوئی وصف کرنے والا اس کی عظمت کا اندازہ کس طرح کر سکتا ہے؟ باوجودیکہ وہ حق مبین ہے، کہ کوئی حق سے اس سے زیادہ ثابت اور کوئی شے اس سے زیادہ ظاہر و آشکارا نہیں۔ عقلیں اس کی صفت کی تحقیق سے عاجز ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی مخلوق کی صفت کی تحقیق سے عاجز ہیں، اس کی حرکات کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کا نہ کان دکھائی دیتا ہے، نہ آنکھ۔ بلکہ وہ مخلوق اپنی عقل سے جو تصرف و حیلہ کرتی ہے وہ اس کے کان اور آنکھ کے ظہور کی نسبت تیرے واسطے زیادہ دشوار و مخفی ہے۔ سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو سب سے بہتر جاننے والا اور خالق و پروردگار ہے۔ ”پھر مدعی نے مابشون سے احادیث صفات نقل کی ہیں اور الارص جميعاً قبضة الایہ کا

ذکر کیا ہے۔ پھر ماجنون کا یہ قول درج کیا ہے۔

پس خدا نے اپنی ذات کا جو وصف کیا اسے اپنے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے بیان کرا دیا۔ ہم نے اسی وصف کے ساتھ یاد کیا اور کسی اور وصف میں کلام نہیں کیا جس وصف کے ساتھ وہ متصف ہے ہمیں اس سے انکار نہیں جس کے ساتھ وہ متصف نہیں اس کی معرفت کا ہم دعویٰ نہیں کرتے۔ جس نے اس تقریر میں کلام کو بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم ناقل سے کہتے ہیں کہ اچھی حجت لایا ہے لیکن وہ ہمارے حق میں ہے تو نے ہتھیار اچھا اٹھایا ہے مگر ہمارے دشمنوں کے لئے۔

رہا کلام عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اور جو اس نے اللہ کی کبریائی و عظمت کا ذکر کیا ہے کہ اس میں عقلیں اور سمجھیں حیران و پریشان ہیں۔ سو عالموں نے نظم و نثر میں یہی کہا ہے تو نے سادات علماء و اعلام امت پر نکتہ چینی کی ہے کہ انہوں نے عجز و تقصیر کا اعتراف کیا ہے اسے تو نے ان کا عیب سمجھا ہے اور ان کا گناہ بتایا ہے مگر تو معذور ہے اور وہ معذور نہیں۔ عبدالعزیز کے قول کو تو نے حجت قرار دیا ہے۔ ہم نے اس معاملہ میں ذکر کر دیا جو کچھ متکلمین ہر جگہ میں کہتے ہیں۔ عبدالعزیز نے حکم دیا ہے کہ پروردگار عزاسمہ کو اسی کے ساتھ وصف کرنا چاہیے جس کے ساتھ خود اس نے اپنی ذات کا وصف کیا ہے اور اس کے ماسوا سے سکوت کرنا چاہیے۔ یہی ہمارا قول و فعل و عقیدہ ہے۔ مگر تو نے پروردگار عالم کو جنت علو کے ساتھ وصف کیا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس کے ساتھ وصف نہیں کیا اور تو نے اس کی طرف اشارہ حسیہ کو جائز رکھا ہے۔ ہم صفات کے قائل ہیں جیسا کہ وہ وارد ہوئی ہیں۔ مگر تو نے عرش و سماء کو صفت علو

کے ساتھ جمع کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ سماء میں حقیقتاً ہے اور عرش میں حقیقتاً ہے۔ پاک ہے وہ جو عقلیں عطا فرماتا ہے۔ وَلٰكِنْ كَانَ ذٰلِكَ مَسْطُوْرًا۔ پھر مدعی نے محمد بن الحسن سے نقل کیا ہے کہ فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رب کی صفت اس وصف کے ساتھ کرنی چاہیے جو قرآن و احادیث میں صفات کی وارد ہے۔

ہم اس سے گزارش کرتے ہیں کہ ہمارا تو اس قول پر عمل ہے۔ لیکن تو نے جو کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا وصف جہت علو کے ساتھ کرتا ہوں اور اس کی طرف اشارہ حیہ کو جائز سمجھتا ہوں۔ یہ قرآن و اخبار ثقات میں کمال ہے؟ اپنے فتویٰ میں تو نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ مدعی نے ابو عبیدہ قاسم بن سلام رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب ہم سے اس کی تفسیر پوچھی جائے تو ہم اس کی تفسیر نہ کریں گے اور نہ ہم نے کسی کو اس کی تفسیر کرتے پایا ہے۔ ہم جواب میں اس سے کہتے ہیں کہ الحمد للہ! ہمارا مقصود حاصل ہو گیا۔

کاش! میں جانتا کہ سماء و عرش کی تفسیر کس نے کی اور کس نے کہہ دیا کہ ان دونوں کے معنی جہت علو ہیں اور کس نے ان کی تفسیر اور ان کا محل ترک کر دیا، جیسا کہ حکم ہے۔ پھر مدعی نے ابن مبارک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارے رب کی تعریف یوں کی جائے کہ وہ اپنے سماء کے اوپر اپنے عرش پر اپنی مخلوقات سے نرالا ہے اور ہم نہیں کہتے جیسا کہ جہمیہ کہتے ہیں کہ وہ یہاں زمین میں ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ عبدالبر نے صراحت کر دی کہ وہ اپنے سماء کے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ کیا عبدالبر نے یوں کہہ دیا کہ سماء اور عرش ایک ہی معنی میں ہیں اور وہ معنی جہت علو ہیں۔ مدعی نے حملو بن زید کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جہمیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آسمان میں کوئی شے نہیں۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ تو

بھی ان ہی کی بات کا قائل ہے، کیونکہ تو نے صراحتِ ردی کہ سماء سے مراد اس کی ذات نہیں، بلکہ وہ معنی جس سے وہ مشتق ہے یعنی سمو، اور سمو کی تفسیر تو نے جنتِ علو کے ساتھ کی ہے۔ پس تیرے واسطے بہتر یہ ہے کہ اپنے نفس کا عیب ظاہر کر دے جیسا کہ حمالو نے جہمیہ کا عیب آشکارا کر دیا۔

مدعی نے ابن خزیمہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص یوں نہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر اپنی مخلوقات سے نرالا ہے واجب ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ کر دے فہما، ورنہ اس کی گردن ماری جائے۔ پھر جائے سرگین پر پھینک دیا جائے تاکہ اہل قبلہ و اہل ذمہ اس سے تکلیف نہ اٹھائیں۔ مدعی سے کہہ دیا جائے کہ اس قسم کے مضمون کا جواب پہلے آچکا ہے۔

علاوہ ازیں خاص و عام کو ابن خزیمہ کا حال عقائد میں اور اس کتاب میں جس کو اس نے تشبیہ میں تصنیف کیا ہے اور توحید نام رکھا ہے، خوب معلوم ہے اور ائمہ نے اس کثرت سے اس کی تردید کی ہے کہ احاطہ بیان سے خارج ہے۔ مدعی نے عباد واسطی اور عبدالرحمن بن مہدی اور عاصم بن علی بن عاصم سے حمالو کے قول کی مثل نقل کیا ہے۔ جس کا جواب ہم دے چکے ہیں۔ پھر اس کے بعد مدعی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تو تمہارے اہلی نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کیا ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ زینب نے کہا کہ اللہ سات آسمانوں کے اوپر ہے، بلکہ یوں کہا کہ اللہ کا میری تزویج کرنا

سات آسمانوں کے اوپر سے ہے۔

پھر مدعی نے ابو سلیمان خطابی سے وہی نقل کیا ہے جو عبدالعزیز ماجشون سے کیا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ ہم عبدالعزیز کے موافق اور مدعی اس کا مخالف ہے اور اس کو اس نے خطیب اور ابو بکر اسماعیلی اور یحییٰ بن عمار اور ابو اسماعیل ہروی اور ابو عثمان صابونی سے بھی نقل کیا ہے کہ احادیث استواء میں وہ استواء کے قائل ہیں اور استواء کو بغیر کیف و بلا تمثیل و بلا تشبیہ ثابت کرتے ہیں اور اللہ کو اپنے عرش پر مستوی کہتے ہیں سماء میں نہ کہ زمین میں اور اس کو اس نے معمر اصبہانی سے نقل کیا ہے۔ ہم نے تجھ سے کئی بار مرتبہ کہہ دیا ہے کہ مدعی اس کے مخالف ہے۔ اس نے جب ایسا کہا تو اسی وقت اس کو نقض کر دیا۔ کیونکہ سماء اس کے نزدیک وہ نہیں جو معروف ہے۔ وہ سماء عرش کے معنی صرف جت علو بتاتا ہے۔ مدعی نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جت علو میں ہے اور اپنے عرش پر مستوی ہے۔

کاش! میں جانتا کہ اس نے حضرت شیخ کے کلام^(۲۵) سے کیوں حجت پکڑی ہے اور امام جعفر صادق و شبلی و جنید و ذوالنون مصری و جعفر بن نصیر اور ان کے امثال رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چھوڑ دیا ہے لیکن ابو عمر بن عبدالبر سے جو اس نے نقل کیا ہے۔ سو خاص و عام کو ابو عمر کا مذہب اور ان لوگوں کا اس کی مخالفت کرنا اور مالکیہ کا اس کو برا کہنا اولاً و آخراً مشہور ہے اور امام مغرب ابو الولید باجی سے اس کی مخالفت معروف ہے، یہاں تک کہ فضلاء مغرب کہتے ہیں کہ مغرب میں اس کے سوا اور ابن ابی زید کے سوا کوئی اور اس مقالہ کا قائل نہیں۔ ہاں! ان میں سے بعض نے ابن ابی زید کی طرف سے احتذار کیا ہے جو

قاضی ابو محمد عبدالوہاب بغدادی مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں موجود ہے۔ پھر ابن عبدالبر نے کہا۔ اَللّٰهُ فَوْقَ فِی السَّمَاءِ عَلٰی الْعَرْشِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَ سَمَوَاتٍ اور نہیں سمجھا کہ فی السماء علی العرش من فوق سبع سموات کے کیا معنی ہیں۔ دیگر آنکہ ابن عبدالبر نے اس کلام کی تاویل نہیں کی اور نہ مدعی کی طرح یوں کہا کہ عرش و سماء سے مراد جنت علو ہے۔ پھر مدعی نے امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو نقل کیا ہے، اسے اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور جن کا ذکر پہلے آیا ہے ان کے کلام کا اعادہ کر دیا ہے۔

اس کے بعد اس نے شیخ ابو الحسن علی بن اسمعیل اشعری کا قول ذکر کیا ہے کہ وہ کہتا ہے۔ ”اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اَسْتَوٰی“ ہم اس قول میں اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے بلکہ کہتے ہیں اِسْتَوٰی بِلَا کَیْفٍ۔ اس نے ابو الحسن سے جو نقل کیا ہے وہی ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔ لیکن مدعی کا اس کے کلام کو نقل کرنا صرف اس واسطے ہے کہ لوگ وہم میں پڑ جائیں کہ حضرت شیخ جنت کے قائل ہیں۔ اگر ایسا ہے۔ تو اس نے جھوٹ میں مبالغہ کیا اور حضرت شیخ کا کلام اس بارے میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”کان ولا مکان مخلوق العرش والکرسی فلم یحتج الی مکان وهو بعد خلق المکان کما کان قبل خلقه“ (اللہ تھا اور کوئی مکان نہ تھا۔ پس اس نے عرش و کرسی کو پیدا کیا۔ پس اسے مکان کی حاجت نہ ہوئی اور وہ مکان کے پیدا کرنے کے بعد ایسا ہی تھا جیسا کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے تھا) اور آپ کا کلام اور آپ کے اصحاب کا کلام اس کے ابطال میں اس قدر ہے کہ اس کا حصر دشوار ہے۔

پھر مدعی نے اس کو قاضی ابوبکر اور امام الحرمین سے حکایت کیا۔ پھر آسمان

کی طرف ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ دعاء کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا تو صرف اس واسطے ہے کہ آسمان برکات و خیرات کا منزل ہے۔ کیونکہ انوار اور بارش اس سے اترتی ہے۔ جب انسان ایک جانب سے حصول خیرات کا عادی ہوتا ہے تو اس کی طبیعت اس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔) مدعی نے اصول عقائد کے مطالب میں اس طرح کی دلالت پر اکتفاء کیا ہے۔ یوں تو کوئی مخالف کہہ دے گا کہ اللہ تعالیٰ کعبہ میں ہے۔ کیونکہ ہر ایک نمازی اس کی طرف منہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وَجْهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ (میں نے اپنا منہ کیا اس کے لئے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔) یا کہہ دے گا کہ اللہ زمین میں ہے۔ کیونکہ قول الہی ہے۔ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (اور سجدہ کر اور نزدیک ہو) اور سجدہ کے ساتھ نزدیک ہونا مسافت میں زمین ہی میں ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ فِي سُجُودِهِ۔ یعنی بندہ اپنے سجدہ میں اللہ سے نہایت ہی قریب ہوتا ہے۔ اس کے بعد مدعی نے حدیث اوعال کا ذکر کیا ہے جس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ پھر اس نے وہ ذکر کیا جس کا اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور یوں کہنا شروع کیا ہے۔ کہ اس نے سلف سے اپنے مذہب کی مثل نقل کیا ہے۔ حالانکہ اب تک اس نے سوائے شیخ عبدالقادر جیلانی کے اپنا مذہب سلف و خلف میں سے کسی سے نقل نہیں کیا۔ کیا ابن عبدالبر کے کلام میں اس نے نقل کیا ہے۔ لیکن عشرہ مبشرہ اور باقی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک حرف بھی نقل نہیں کیا، اس کے بعد

اس نے مواعظ و ادعیہ نقل کی ہیں۔ جن کا اس مسئلہ میں کچھ تعلق نہیں۔ پھر اس نے اہل اسلام پر سب و شتم کیا ہے۔ جو چاند پر بھونکتا ہے۔

ہمارے بیان سے ظاہر ہے کہ اس علامہ نے اپنے فتویٰ کا عنوان تو یہ رکھا کہ وہ کہے گا وہی جو فرمایا اللہ اور اللہ کے رسول اور مہاجرین و انصار میں سے سابقون و اولون نے۔ مگر اس نے کسی صحابی سے اپنا مذہب و قول نقل نہیں کیا۔ چونکہ ہم نے اس کے کلام کا فاسد ہونا ثابت کر دیا اور اس کے ابہام کا ایضاح اور اس کے ابہام کا ازالہ اور اس کے ابرام کا نقص کر دیا اور اس کے اعلام کو گونسا کر دیا۔ اس لئے اب ہمیں وہ شروع کرنا چاہیے جس کا تعلق ہماری غرض اور ہمارے مذہب کے ایضاح سے ہو۔ پس ہم بتوفیق الہی گزارش کرتے ہیں کہ صفات کے متعلق آیات و اخبار کے سننے والے پر کچھ وظائف ہیں۔

صفات باری تعالیٰ کے متعلق ہدایات

وہ وظائف یہ ہیں۔ تقدیس۔ ایمان و تصدیق۔ عجز کا اعتراف۔ سکوت۔ آیات و احادیث صفات کے الفاظ میں تصرف سے امساک۔ اس میں تفکر سے باطن کا روکنا یہ اعتقاد رکھنا کہ جو امر ہم سے پوشیدہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ پر پوشیدہ نہ تھا اور نہ صدیق اکبر پر نہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر پوشیدہ تھا۔ اب ہم ان وظائف کے دقائق اللہ تعالیٰ کی مدد سے ظاہر کرتے ہیں۔

تقدیس یہ ہے کہ ہر آیت یا خبر میں ایسے معنی کا اعتقاد و یقین رکھنا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایاں ہوں۔ اس کی مثال آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ ہر رات سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ نزول کا اطلاق اس معنی پر ہوتا ہے جسکو حاجت ہو جسم عالی اور جسم سافل کی اور عالی سے سافل کی

طرف انتقال کرنے والے جسم کی اور اوپر سے نیچے کی طرف جسم کے انتقال کی۔ اس کا اطلاق ایک اور معنی پر ہوتا ہے جس کو حاجت نہ ہو انتقال کی اور نہ حرکت جسم کی جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمَنِیَّةَ أَزْوَاجٍ۔ حالانکہ چوپائے آسمان سے نہیں اترتے بلکہ وہ قطعاً رحموں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے لامحالہ حرکت جسم کے سوا نزول کے اور معنی بھی ہیں اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ میں مصر میں داخل ہوا لوگوں نے میرا کلام نہ سمجھا۔ اس لئے میں نے نزول کیا۔ پھر نزول کیا۔ پھر نزول کیا۔ اس وقت امام موصوف کی مراد اوپر سے نیچے کی طرف انتقال نہ تھا۔

پس جب سامع آنحضرت ﷺ کا قول مذکور سنے، تو اسے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نزول پہلے معنی میں نہیں۔ کیونکہ جسم کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اگر وہ نزول سے انتقال نہ سمجھے۔ تو اس سے کہا جائے کہ جو شخص نزول بعید کے سمجھنے سے عاجز ہے وہ اللہ عزوجل کے نزول کے سمجھنے سے زیادہ عاجز ہے۔ سو جان لے کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایاں ہے۔ عبدالعزیز ماجنون کے کلام میں جو پہلے آچکا ہے اس کی طرف اشارات ہیں۔ یہی حال لفظ فوق کا ہے جو قرآن و حدیث میں آیا ہے، وہ کبھی جسمیت کے لئے اور کبھی مرتبہ کے لئے آتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ سو معلوم رہے کہ جسمیت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اس کے سوا اور معنی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلال کے شایاں ہیں۔

رہا اس پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا۔ وہ یوں ہے کہ جان لے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وصف کرنے میں سچے ہیں۔ جو کچھ آپ نے

فرمایا، حق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، اس معنی اور وجہ میں جس کا آپ نے ارادہ کیا اگرچہ وہ اس کی حقیقت پر واقف نہ ہو۔ کہیں شیطان اس کے حواس نہ کھو دے کہ یوں کہہ بیٹھے کہ میں ایسے امر مجمل کی جس کی ذات و نفس کو میں نہیں پہنچاتا کس طرح تصدیق کروں۔ بلکہ وہ شیطان کو ذلیل کرے اور یوں کہے کہ جب کوئی صادق مجھے خبر دے کہ ایک حیوان ایک گھر میں ہے جس کے وجود کا میں نے ادراک کیا، اگرچہ میں نے اس کی ذات و نفس کو نہیں پہنچانا، تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پھر یہ بھی معلوم رہے۔ کہ سید الرسل ﷺ نے فرمایا ہے۔

”میں تیری ثناء کو ضبط نہیں کر سکتا۔ تو ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثناء خود کی ہے۔“

سید الصدیقین نے فرمایا ہے۔

”ادراک کے حاصل کرنے سے عجز ادراک ہے۔“

رہا عجز کا اعتراف، سو جو شخص ان معانی کی حقیقت سے واقف نہیں۔ اس پر واجب ہے کہ عجز کا اقرار کرے۔ اگر وہ معرفت کا دعویٰ کرے، تو یہ تکلف ہے کیونکہ انسان کتنا ہی عارف ہو، جو اس پر مخفی ہے وہ زیادہ ہے اس سے جو اسے معلوم ہے۔

رہا سکوت، سو یہ سامع پر علی العموم واجب ہے۔ کیونکہ سوال سے اسے وہ پیش آئے گا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ اگر وہ کسی جاہل سے سوال کرے گا، تو وہ اس کی جمالت زیادہ کر دے گا اور اگر کسی عالم سے سوال کرے گا۔ تو عالم کے لئے اس کا سمجھنا ممکن نہیں۔ جیسا کہ بالغ کے لئے ممکن نہیں کہ نابالغ کو

لذت جماع کی تعلیم دے۔ یہی حال بچہ کی مصلحت بیت و تدبیر بیت کی تعلیم دینے کا ہے۔ بلکہ وہ اسے سمجھائے کہ تمہاری مصلحت اس میں ہے کہ تم مکتب جلیا کرو۔ پس عامی اگر اس کی بابت سوال کرے، تو تو اسے جھڑک کر روک دیا جائے اور کہہ دیا جائے۔ ”لیس هذا بعثک فادرجی“ (اس میں تیرا کوئی حق نہیں، تو اپنی راہ لگ۔) امام مالک نے سائل استواء کے لئے حکم دیا کہ اس کو نکال دو اور فرمایا کہ میں تجھے برا جانتا ہوں، حالانکہ آپ کو پسینہ آیا ہوا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اگر کوئی آیات مشابہات کی نسبت سوال کرتا۔ تو آپ اس سے یہی سلوک کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال کے سبب سے ہلاک ہو گئے۔ مسئلہ قدر میں امساک کا حکم آیا ہے۔ تو صفات میں بطریق اولیٰ ایسا ہونا چاہیے۔

رہا آیات و احادیث صفات میں امساک، سو سامع کو چاہیے کہ ان کا قائل ہو جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور ان میں تفسیر یا تاویل یا تصریف یا تفریق یا جمع میں تصرف نہ کرے۔ تفسیر نہ کرنا اس طرح ہے کہ ایک لغت کا لفظ دو سری لغت کے ساتھ نہ بدلا جائے، کیونکہ بعض وقت وہ کلمہ اس لغت میں نہیں ہوتا۔ اور بعض وقت کلمہ ایک لغت میں مستعار ہوتا ہے اور دو سری میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک لغت میں مشترک ہوتا ہے اور دو سری میں نہیں ہوتا۔ اس وقت استعارہ کے ترک سے اور اس اعتقاد سے کہ مشترک کے دو معنوں میں سے فلاں ایک مراد ہے بڑی خرابی ہوگی تاوقتیکہ ظاہر کو پھیر دے اور مرجوح سے تمسک کرے۔ اگر وہ عامی ہے تو ایسے سمندر میں کودتا ہے جس کا ساحل نہیں، حالانکہ وہ تیراک نہیں۔ اگر عامی ہے تو اس کے

لئے بجز شرائط تاویل یہ جائز نہیں۔ اسے عامی کے ساتھ اس میں دخل نہ دینا چاہیے، کیونکہ عامی تو اس کے سمجھنے سے عاجز ہے۔ اس میں تفکر سے باطن کا روکنا اس لئے ہے کہ سامع ایسی شے میں داخل نہ ہو جائے جو کفر ہو۔ جس کو وہ اپنے نفس سے دور نہ کر سکے اور نہ دوسرا ایسا کر سکے۔ رہا اعتقاد رکھنا کہ نبی ﷺ اس کو جانتے تھے۔ سو سامع کو چاہیے کہ یہ جان رکھے اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی ذات شریف پر قیاس نہ کرے، اور نہ آپ کے اصحاب پر اور نہ اکابر علماء پر قیاس کرے۔ کیونکہ ان کے قلوب معادن و جواہر ہیں، اس کے بعد کلام دو فصلوں میں ہے۔

فصل اول

جہت سے پاک ہونے کے دلائل

اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہے۔ اس کے متعلق ہم حسب ذیل گزارش کرتے ہیں۔ اول: یہ کہ اگر وہ لوگ اخبار و آثار کے ساتھ بحث کریں۔ تو تجھے معلوم ہے کہ ان میں کیا ہے؟ وہ کسی صحابی یا تابعی کا نام نہیں بتا سکے جو جہت کا قائل ہو۔ علاوہ ازیں نفس الامر میں حق یہ ہے کہ لوگ حق کے ساتھ پہچانے جاتے ہیں۔ حق لوگوں کے ساتھ نہیں پہچانا جاتا۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حق کو ہر شخص سے قبول کرو خواہ وہ کافر ہو یا فاجر ہو اور حکیم کی کجروی سے بچو۔ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم کو وہ کافر حق کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حق پر نور ہوتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بے شک سچ فرمایا ہے اور اگر تقلید کا قلابہ گلے میں ڈالا جائے تو ہم امن میں ہیں اس سے کہ کوئی کافر ہمارے پاس ایسے شخص کو لائے جو اس کے مذہب میں بڑا ہو اور کہہ دے کہ حق کو اس کے ساتھ پہچانو۔ چونکہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کے لئے نقل میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے جان لے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خطاب نہیں کیا مگر ان لوگوں سے جو عقل و بصیرت والے ہیں۔ قرآن اس مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ عقل ہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی پہچان کرانے والی اور اس کے پیغمبروں کی رسالت پر حجت قائم

کرنے والی ہے۔ کیونکہ نقل کے ساتھ اس کے اثبات کی معرفت کی طرف کوئی راہ نہیں۔ شرع نے عقل کی تعدیل کی ہے اور اس کی شہادت کو قبول کیا ہے اور کتاب اللہ میں کئی جگہ اس کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے۔ مثلاً انشاء کے ساتھ اعادہ پر استدلال میں قول الہی میں ہے۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ اَلَا يَهْدِي الْغَيِّ اُولٰٓئِكَ يَفْعَلُوْنَ - ”اور بٹھاتا ہے ہم پر کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش الایہ - (یسین -

ع ۵)“

فلاسفہ جو معاد جسمانی کے منکر ہیں اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے مباحث کو توڑ دیا ہے۔ عقل ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اِلٰهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ”اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوائے اللہ کے۔ البتہ دونوں خراب ہوتے۔ (انبیاء - ع ۲)“ اور فرمایا۔ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذَا لَذَّهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ”اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے۔ یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور چڑھ جاتا ایک پر ایک۔ (مومن - ع ۵) اور فرمایا۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِى مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ”کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں نگاہ نہیں کی۔ (اعراف - ع ۲۳)“ اور فرمایا۔ قُلْ اَنْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ”تو کہہ۔ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ (یونس - ع ۱۰)“ اور فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَا اَعْظَمُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَشٰى وَفَرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ”تو کہہ یہ کہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو۔“ اللہ کے کام پر دو دو اور ایک ایک۔ پھر دھیان کرو۔ (سبا - ع ۶) اور فرمایا۔ سَنُرِيْهِمْ اٰیٰتِنَا فِى الْاَفَاقِ وَفِى اَنْفُسِهِمْ ”اب ہم دکھا دیں گے

ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور ان کی جانوں میں۔ (حم سجدہ - ع ۶)“

اس لئے نقصان ہے اس کے لئے جو ایسے شاہد کو رد کر دے جسے اللہ نے قبول کیا ہے اور ایسی دلیل کو گرا دے جسے اللہ نے قائم کیا ہے۔ یہ لوگ ایسے شاہد کی شہادت کو پھینک دیتے ہیں اور اپنے ایسے مشائخ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں جن میں سے کسی سے اگر اس کے دین کی بابت سوال کیا جائے۔ تو اسے اس کے ثابت کرنے کی لیاقت نہیں، اور جب میدان تحقیق میں اس کا مقابلہ کیا جائے۔ تو عاجز آ کر یوں بول اٹھے۔ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهِ۔ اور صحیح بخاری میں حدیث (۳۶) کسوف میں وہ مضمون ہے جس سے قبروں میں ان لوگوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ عقل ہی مدار تکلیف ہے، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر حساب قائم کیا اور اپنے کلام میں اس کی شہادت قبول فرمائی، اور اسی کے ساتھ اپنے دین کے اصول ثابت کئے۔ اس عقل نے اس مذہب کی خباثت اور اس عقیدے کے فساد کی شہادت دی اور بتا دیا کہ اس عقیدے کی بازگشت اللہ تعالیٰ کو نقائص کے ساتھ وصف کرنے کی طرف ہے۔ اللہ بہت برتر ہے اس سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں۔ مشائخ طریقت نے بھی آگاہ کر دیا ہے جس پر عقل شاہد اور جس کے ساتھ قرآن ناطق ہے ایسے طرز سے کہ جس کو خاص سمجھتے ہیں اور عام اس سے نفرت نہیں کرتے۔ اس کا بیان کئی وجہ سے ہے۔

برہان اول۔ صاحب حسب زکی و نسب عالی سید العلماء و وارث خیر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم امام جعفر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر اللہ کسی شے میں ہو، تو وہ محصور ہو گیا۔ اس دلالت کی تقریر یوں ہے کہ اگر وہ ایک جہت

میں ہو۔ تو بحسب حس مشار اللہ ہو گا۔ اور یہ لوگ خدا کی طرف اشارہ حس کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ ایک جہت میں مشار الیہ ہوا۔ تو اس کا متناہی ہونا لازم آیا اور یہ اس لئے ہے کہ جب وہ ایک جہت میں ہوا اور دوسری جہات میں نہ ہوا، اس لیے ایک جہت میں ثابت ہوا۔ متناہی کے یہی معنی ہے اور ہر متناہی حادث ہوتا ہے۔ کیونکہ باقی مقادیر کو چھوڑ کر اس مقدار کے ساتھ اس کی تخصیص کے لئے جہت میں اس کی ضرورت ہے۔ اس برہان عقلی سے ظاہر ہو گیا کہ قول بالہمت موجب ہے خالق کے مخلوق ہونے اور رب کے مربوب ہونے کا اور اس کی وجہ سے متصرف فیما ہونے اور قابل نقصان و زیادت ہونے کا۔ اللہ بہت برتر ہے اس سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں۔

برہان دوم: شیخ الطریق و علم التحقيق حضرت شبلی رحمہ اللہ کے اس کلام سے مستفاد ہے۔ الرَّحْمَنُ لَمْ يَزَلْ وَالْعَرْشُ مُحَدَّثٌ وَالْعَرْشُ بِالرَّحْمَنِ اسْتَوَى (رحمن ہمیشہ رہا ہے اور عرش حادث ہے اور عرش رحمن کے ساتھ قائم ہوا۔) اس برہان کی تقریر یوں ہے کہ وہ جہت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے قول کی بنا پر مختص ہے اور جسے وہ عرش کہتے ہیں معدوم ہوگی یا حادث پہلی صورت بالاتفاق محال ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اشارہ حیہ کے قابل ہے اور اشارہ حیہ معدوم کی طرف محال ہے۔ اس لئے وہ موجود ہوگی۔ جب موجود ہوئی تو قدیم ہوگی یا حادث۔ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ قدیم ہوئی تو اللہ اور اس کی صفات کے سوا ایک اور قدیم پایا گیا۔ اس صورت میں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں سے معبود کون ہے؟ یہ اس عقیدے کی خرابی ہے۔ اگر حادث ہو تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تحیز پیدا ہو، پس لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ صفات نفسیہ

حادثہ کے قائل ہو، اللہ اس سے برتر ہے۔

برہان سوم: لسان الطریقہ وطیب القلوب ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد ذیل سے ماخوذ ہے۔ مَتٰی يَتَّصِلُ مِنْ لَاشِبِيْهِ لَهٗ وَلَا نَظِيْرَ لَهٗ بِمَنْ لَهٗ شَبِيْهِ وَنَظِيْرٌ هِيَ هَاتِ هِيَ هَاتِ هَذَا ظُنُّ عَجِيْبٌ (جس کی نہ کوئی شبیہ ہو، نہ نظیر۔ وہ اس سے کب متصل ہو سکتا ہے جس کی شبیہ و نظیر ہو۔ بعید ہے بعید ہے۔ یہ عجیب ظن ہے۔)

اس برہان کی تقدیر یوں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایک جہت میں ہو۔ تو تین حال سے خالی نہیں۔ اس جہت سے بڑا ہو گا یا برابر یا چھوٹا۔ جب بڑا ہو گا۔ تو اس کی جہت کے مساوی مقدار زائد مقدار سے مغائر ہو گی۔ پس وہ اجزاء سے مرکب ہو گا، اور یہ محال ہے کیونکہ ہر ایک مرکب اپنے جزو کا محتاج ہوتا ہے، اسکا جزء اس کا غیر ہوتا ہے۔ اس طرح ہر مرکب اپنے غیر کا محتاج ہو، اور جو غیر کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ مقدور میں جہت کے مساوی ہو، اور جہت قائل انقسام ہے کیونکہ اس کے اجزاء کی طرف اشارہ حیہ ممکن ہے۔ پس جو مقدار میں جہت کے مساوی ہو وہ بھی منقسم ہو گا۔ اگر وہ مقدار میں جہت سے چھوٹا ہو (اللہ تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے۔) تو اگر جو ہر ^(۲۷) فرد کے مساوی ہو۔ تو ان کا خدا جو ہر فرد کی مقدار ہوا۔ کوئی عاقل اس کا قائل نہیں۔ اس پر تو بادی الرائی میں جاہل زنگی بھی نہیں گے۔ اگر جو ہر فرد سے بڑا ہو، تو منقسم ٹھہرے گا، پس اس مذہب کی طرف اور لازم مذہب کی طرف دیکھئے، اللہ اس سے برتر ہے۔

برہان چہارم: حضرت جعفر بن نصیر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد سے مستفاد ہے اور وہ یوں ہے کہ آپ سے اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کی بابت سوال کیا گیا،

تو آپ نے یوں جواب دیا اِسْتَوٰی عِلْمَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَقْرَبَ اِلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ (اسے ہر شے کا علم برابر ہے، کوئی شے دوسری شے کی نسبت اس کے زیادہ نزدیک نہیں۔)

اس برہان کی تقریر یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جہات کی نسبت یکساں ہے۔ پس ممتنع ہے کہ وہ ایک جہت میں ہو، اس امر کا بیان کہ جہات کی نسبت اس کی طرف یکساں ہے، اس طرح ہے کہ جہت امر وجودی ہے۔ اگر وہ اللہ کے ساتھ قدیم ہو تو دو متمیز بالذات قدیموں کا وجود لازم آتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ متمیز بالذات نہ ہوں، تو جہت خدا ہوگی اور خدا جہت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے۔ اگر جہت قدیم نہ ہو۔ تو اللہ کا اختصاص اس کے ساتھ یا تو اس لئے ہو گا کہ اس کی ذات اس جہت کی مقتضی ہے۔ پس ذات کی صفات نفسیہ میں فاعل ہونا لازم آئے گا۔ یا اس کا اختصاص غیر ذاتی ہو۔ پس جہات کی نسبت اس کی ذات کی طرف یکساں ہوگی۔ پس ایک جہت کا دوسری جہت پر منج اس کی ذات سے خارج امر ہو گا۔ اس طرح ایک جہت کے ساتھ اختصاص میں اس کے غیر کی طرف محتاج ہونا لازم آیا اور اختصاص بالجہت تحیز عین ہے اور تحیز ایک صفت ہے جو متخیر کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ پس ذات صفت میں اس کا غیر کی طرف محتاج ہونا لازم آیا اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

معلوم رہے کہ یہ براہین جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جن کو ہم نے مشائخ طریق سے اخذ کیا ہے، ان کو ہم نے قرآن کریم سے استنباط کیا ہے۔ لیکن قرآن میں سب کچھ جو ہے اسے ہر ایک نہیں پہنچاتا۔ اس میں سے ہر ایک بقدر اپنے ظرف کے چلو بھرتا ہے اور اس کے پانی سے ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوتا۔

سلف لڑائیوں اور فتوحات کے واقعات قرآن کریم سے استنباط کیا کرتے تھے۔ ابن برجان رحمہ اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین کے ہاتھ پر قدس کے فتح ہو جانے کا سال قرآن ہی سے استنباط کیا تھا۔ بعض متاخرین نے سورہ روم سے ۶۷۳ھ کے بعد کے واقعات کی طرف اشارہ استنباط کیا ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تورات سے استنباط کیا کہ عبد اللہ قلابہ ارم ذات العمداء میں داخل ہو گا اور اس کے سوا دوسرا داخل نہ ہو گا، اور آپ تورات ہی سے استنباط کیا کرتے تھے جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے وقوع میں آنے والا تھا اور جو کچھ شام کے لشکروں کو پیش آنے کو تھا اور یہ مشہور ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں وہ نازل فرمایا ہے کہ جس سے ایک شخص بہت کچھ سمجھ جاتا ہے اور دوسرا کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ کلام فقہاء سے احکام کے استنباط میں اور قصائد شعراء سے معانی کے استنباط میں مراتب مختلف ہیں، لیکن کلام اللہ شریف میں جہت کی نفی میں جو کچھ وارد ہوا ہے، اسے خاص لوگ پہنچاتے ہیں اور عام نہیں پہنچاتے، از انجملہ قول باری تعالیٰ ہے ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ نہیں ہے اس کا سا کوئی۔ شوریٰ۔ (۲۷) اگر کوئی جہت اس کو حصر کرتی، تو وہ اس جہت میں محصور ہوتا

فاقول! (میں کہتا ہوں) قول باری تعالیٰ ہے ”هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا“ کیا آپ جانتے ہیں، کوئی اس کے نام کا۔ (مریم۔ ع ۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کیا تو جانتا ہے اس کے لئے مثل۔ ”قیوم سے، بناء مبالغہ سے بدیں طور کہ وہ قائم بنفسہ ہے اور ماسواء اس کے ساتھ قائم ہے۔ پس اگر وہ جہت کے ساتھ قائم ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے قول المصور (صورتیں بنانے والا) سے بھی جہت کی نفی مفہوم ہوتی

ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایک جہت میں ہوتا۔ تو تصور کرو کہ اس نے اپنی صورت آپ بنائی ہے یا غیر نے بنائی ہے اور یہ دونوں محال ہیں۔ اس قول الہی سے بھی جہت کی نفی مفہوم ہوتی ہے۔ ”وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ“ ”اور اٹھائے ہوئے ہیں تخت تیرے رب کا اپنے اوپر اس دن آٹھ۔“ (الحاقہ ع ۱) اگر خدا تعالیٰ حقیقتاً عرش کے اوپر ہو، تو محمول ٹھہرے گا۔ اس لیے اس آیت سے بھی جہت کی نفی سمجھی جاتی ہے۔ کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ”ہر چیز فنا ہے مگر منہ اس کا۔“ (قصص - ع ۹) اور عرش فنا ہونے والی چیز ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہ ہو۔ پھر ایک جہت میں ہو جائے۔ تو اس میں تغیر پایا گیا اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

مدعی نے جان لیا کہ قرآن ایسی چیزوں اور اشارات سے بھرا پڑا ہے۔ تو کہہ دیا کہ ان چیزوں کی دلالت مکمل الفاظ (چیتان یا سخن سربستہ) کے ہے۔ کیا اس سے معلوم نہیں کہ عقائد کے اسرار جن کو عوام کی عقلیں برداشت نہیں کر سکتیں۔ اسی طرح بیان ہوتے ہیں، قرآن میں جسمیت کا ثانی کہاں ہے؟ مگر بر سبیل الغاد وہاں بھی فخر نہیں کرتے مگر پوشیدہ امور کے استنباط میں۔ مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کا اجماع کو وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الْاِيہ (نساء - ع ۱۷) سے استنباط کرنا اور قیاس کا استنباط فَاَعْتَبِرُوا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ - (حشر - ع ۱) سے اور امام موصوف کا خیار مجلس کو اس طرح استنباط کرنا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بھائی کی بیع پر بیع کو منع فرمایا۔

خلاصہ اس مسئلہ کا یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جمہور کو عقائد میں سے بجز لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے اور کسی چیز کے ساتھ مکلف نہیں فرمایا۔

جیسا کہ امام مالک نے امام شافعی رحمہ اللہ کو جواب دیا تھا اور باقی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ پر چھوڑا۔ نہ حضور ﷺ سے اور نہ حضور ﷺ کے اصحاب کرام سے عقائد کے بارے میں بجز گنتی کے کلمات کے کچھ سننے میں آیا ہے۔ پس اس قسم کا مسئلہ پوشیدہ رکھا جاتا ہے اور اس کے افادہ میں خن سربستہ سے کام لیا جاتا ہے۔

فصل ثانی

مدعی کی ملمع سازی کی تردید

مدعی کی اس ملمع سازی کی تردید میں کہ قرآن و حدیث میں ایسا کلام پایا جاتا ہے جس کے ظاہر سے دل میں اس چیز کا خیال گزرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بنا بر قول متکلمین پاک ہے، ہم گزارش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ آيَاتٍ مُحْكَمَاتٍ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخْرُ مُتَشَبِهَاتٍ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ أَلَيْهِ (آل عمران - ع ۱۱) اس آیت نے بتا دیا قرآن میں بعض آیتیں محکم ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ اور متشابہ کی نسبت بندے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کی تاویل اللہ اور مضبوط (۲۸) علم والوں پر چھوڑ دے۔ اس کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ نبوت نے متشابہ کے بارے میں کوئی نص ظاہراً پیش نہیں کی۔ کیونکہ نبوت کا بڑا مقصود عالم لوگوں کی ہدایت ہے، چونکہ اکثر حصہ محکم ہے اور عوام کو متشابہات میں خوض کرنے سے روکا گیا ہے، اس لئے مقصود حاصل ہو گیا۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ ان پر کوئی شیطان تعین نہ کرے جو ان کو بھلا دے اور ہلاک کر دے۔

مقالبہ کے فوائد میں سے ایک تو بعض علماء کے درجوں کا دوسرے علماء کے درجوں پر بلند کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وفوق کل ذی علم علیم (اور ہر جاننے والے کے اوپر ہے ایک جاننے والا۔ یوسف - ع ۱) اور اس کے سمجھنے سمجھانے اور سیکھنے سکھانے میں کوشش کرنے سے زیادہ ثواب کا حاصل کرنا ہے۔ نیز اگر مقالبہ واضح جلی اور بذات خود مفہوم ہوتا۔ تو لوگ باقی علوم نہ سیکھتے بلکہ ان کو کلیتہ چھوڑ دیتے اور کتاب اللہ بذات خود واضح و ظاہر ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے سمجھنے میں علوم معینہ میں سے کسی علم کی حاجت نہ پڑتی۔ دیگر آنکہ مقالبہ میں اس امر کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے جو لوگوں کی نظروں میں بڑا ہے، اگرچہ نفس الامر میں اس سے بھی بڑا ہو جیسا کہ عبدالعزیز ماحسون نے اس معاملہ میں آگاہ کر دیا ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی نعمت کے بارے میں فرمایا ہے۔ فِی سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ۝ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ۝ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ۝ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ۝ اَلَا یَہ (بیچ بے خار بیری کے درختوں اور تہ بتہ کیلوں اور لمبے سایہ اور گرائے ہوئے پانی کے۔ (واقعہ - ع ۱۱) اگرچہ بہشت میں اس سے بھی بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اللہ عزوجل سے برسبیل حکایت فرمایا ہے۔ اَعَدَدْتُ لِعِبَادِی الصَّالِحِیْنَ مَالًا عَیْنٌ رَّاتٌ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرٌ عَلٰی قَلْبٍ بَشَرٍ۔ ”میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار کر رکھا ہے وہ جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر گزرا۔“ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارا ٹھکانہ اس میں بنائے اور ہماری بصیرت و بصارت کو روشن کر دے اور اس تحریر (۲۹) کو اپنے احسان و کرم سے اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے اور ہم انتظار میں ہیں کہ دیکھیں

مدعی اب کیا طمع سازی اور فساد کرتا ہے تاکہ ہم اس کی کجروی و عناد کے مدارج
کھول کر بتا دیں اور راہ خدا میں جہاد کریں جیسا کہ حق جہاد ہے۔ (وَالْحَمْدُ
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ)

حواشی

۱۔ مجسمہ و مشبہ ان ہی میں سے ہیں۔ حشویہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا ایک گروہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہ اپنا غلط عقیدہ بیان کرنے لگے۔ حضرت امام نے فرمایا۔ **رُدُّوْا هٰذِلَآءِ اِلٰی حَشَا الْخَلْقَةِ** (اے جاننا۔) حاضرین نے یہ سن کر ان کا نام حشویہ رکھ دیا۔ کیونکہ وہ تجسیم (یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ ایک جسم ہے۔) کے قائل تھے۔ اور جسم کا محشو (بھرا ہوا) ہونا ظاہر ہے۔ **شفاء الغلیل للشہاب الخفاجی وغیرہ۔**

۲۔ موضع ہجر و بحرین کی ایک جماعت تھی جو اپنے سرکردہ قرمط کی طرف منسوب تھی۔ قرامطہ کا فتنہ بالخصوص بلاد یمن و شام و عراق میں بہت پھیلا۔ ان کی عادت تھی کہ جس شہر میں جاتے بے دریغ قتل و غارت کرتے۔ چنانچہ ۳۱۷ھ میں ایک قرمطی ابو طاہر نام نو سو کی جمیعت کے ساتھ مکہ مشرفہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے مسجد حرام شریف میں سترہ سو اور بقول بعض تیرہ ہزار مردوں کو قتل کر ڈالا۔ ابو طاہر پلید نے بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر خدائی دعویٰ کیا۔ انہوں نے حجر اسود کو اکھاڑ کر توڑ ڈالا اور اسے ہجر میں اٹھالے گئے۔ وہاں قریباً بیس سال رہا اور پھر اپنی جگہ پر لایا گیا۔ **التعلیقات السنیہ البھیہ علی الفوائد البھیہ۔**

۳۔ قدر یہ وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے فعل کا مختار ہے۔ تمام امور میں اسے حق تعالیٰ کی مدد کی حاجت نہیں۔ ۱۲

۴۔ کسی چیز کو دیکھنے کے لئے یہ شرطیں ہیں۔ وہ چیز دیکھنے والے کی جہت میں ہو اور اس کے مقابل و محاذی ہو اور دونوں کے درمیان مسافت مقررہ ہو نہ نہایت قریب نہ نہایت بعید۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز دیدار الہی میں مقابلہ و

مواجهہ و قرب و بعد نہ ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جنت و مقابلہ و مسافت سے منزہ ہے۔ غرض! اہل ایمان آج خدا تعالیٰ کو بے کیف و بے چگون جانتے ہیں۔ کل کو اسے بے کیف دیکھیں گے۔“

- ۵۔ اشارہ ہے اس آیت قرآن کی طرف۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ (سورۃ فجر)
- ۶۔ جنگ مبین میں طرفین نے فیصلہ کے لئے منصف تسلیم کر لئے۔ تو شیعہ علی کے ایک گروہ (جو خوارج کہلائے) نے اس تحکیم پر کفر کا فتویٰ دیا اور کہا کہ لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (نہیں حکم مگر اللہ کا۔) حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے سن کر فرمایا ”كَلِمَةٌ حَقٌّ اَرِنْدُ بِهَا الْبَاطِلُ“ (یہ کلمہ حق ہے جس سے مراد باطل ہے۔) کلمہ حق اس واسطے فرمایا کہ قول الہی اِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ کے مطابق ہے۔ مگر اس سے ان کی مراد (تحکیم کا کفر و معصیت ہونا) باطل تھی اس لئے کہ امور دینیہ میں تحکیم جائز ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اٰهْلِهِ وَحُكْمًا مِّنْ اٰهْلِهَا۔ (النساء۔ ع) (اور اگر ڈرو تم خلاف سے درمیان ان دونوں کے، پس مقرر کرو ایک منصف مرد کے لوگوں میں سے اور ایک منصف عورت کے لوگوں میں سے۔) اسی طرح جزاء صید میں وارد ہے۔ يَحْكُمُ بِهِ ذُوْا عَدْلٍ مِّنْكُمْ (ماندہ۔ ع ۱۳) ”حکم کریں ساتھ اس کے دو صاحب عدالت تم میں سے۔“

- ۷۔ دلالت مطابقی یہ ہے کہ لفظ اپنے تمام موضوع لہ معنی وضعی پر دلالت کرے جیسا کہ لفظ انسان کی دلالت حیوان ناطق پر جو اس کا موضوع لہ ہے اور دلالت ضمنی یہ ہے کہ لفظ اپنے موضوع لہ کی جزء پر دلالت کرے جیسا کہ لفظ انسان کی دلالت حیوان یا ناطق پر اور دلالت التزامی یہ ہے کہ لفظ اس چیز پر دلالت کرے

جو اس کے موضوع لہ سے خارج ہو مگر اس کا لازم ہو جیسا کہ لفظ انسان کی دلالت کاتب یا ضاحک پر ۱۲۔

۸۔ جب یہ احتمال ثابت ہو گیا۔ تو مدعی کا اس کے ساتھ اپنے مدعا پر استدلال باطل ہو گیا، دیگر وجوہ تاویل کتب تفاسیر میں مذکور ہیں۔ ۱۳۔

۹۔ اللہ تعالیٰ مکانی نہیں، اس لئے اس آیت میں لفظ الیہ معروف عن الظاہر ہے۔ تفسیر حسینی میں ہے۔ الیہ بسو نے امر خدا یعنی بموضع کہ خدا فرماید آتے اسی طرح قول سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اِنِّی ذَٰهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ یعنی میں جانے والا ہوں جہاں تک میرے رب نے مجھے جانے کا حکم دیا ہے۔ ۱۴۔

۱۰۔ مدارک التنزیل میں ہے کہ اگر مِنْ فَوْقِهِمْ کو یُخَافُوْنَ کے متعلق سمجھا جائے۔ تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں کہ ان کے اوپر سے ان پر عذاب بھیجے اور اگر اس کو ربہم سے حل سمجھا جائے۔ تو معنی یوں ہوں گے کہ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان پر غالب و قاہر ہے۔ جیسا کہ اس قول الہی میں۔ وَهُوَ الْقَٰہِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔ ۱۵۔

۱۱۔ قرآن مجید میں ہے۔ ثم استویٰ علی العرش یہاں صیغہ فعل ہے جس کے ساتھ ثم حرف تراخی ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ استواء اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو زمانہ و تراخی کے ساتھ مقید ہے جیسا کہ افعال ہوا کرتے ہیں اور اس کو صفت کما غلاف ظاہر کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں مستوی نہ کتاب اللہ میں آیا ہے نہ سنت میں۔ تاکہ اس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر بطور صفت یا علم کے درست ہو سکے۔ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت حادث

نہیں۔ لہذا اس کو کسی طرح صفت میں شمار نہیں کر سکتے۔“

۱۲۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔ ۱۲

۱۳۔ اور ہم دھڑکتی رگ کی نسبت اس سے زیادہ قریب ہیں۔ ۱۳

۱۴۔ اس کے بعد یوں۔ وَكَذَلِكَ زَيْنُ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَمَلِهِ وَصَدَّ عَنْ السَّبِيلِ

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ۔ ”اور اسی طرح بھلے دکھائے تھے فرعون کو

اس کے برے کام اور روکا گیا، اور روکا گیا راہ سے اور جو داؤ تھا فرعون کا۔ سو

کھنے کے واسطے۔“

۱۵۔ اتاری گئی ہے حکمت والے تعریف کئے گئے کی طرف سے ۱۲۔

۱۶۔ اور جن کو ہم نے کتاب (تورات) دی، وہ سمجھتے ہیں کہ تحقیق یہ (قرآن) تیرے

رب کے پاس سے نازل کیا گیا ہے۔

۱۷۔ کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے، حالانکہ میں امین ہوں ان کا جو آسمان میں ہیں۔

میرے پاس خبر آتی ہے ان کی جو آسمان میں ہیں صبح و شام ۱۳۔

۱۸۔ وہ حدیث سنن ابی داؤد۔ کتاب الطب میں یوں وارد ہے۔ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ

بْنُ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ نَالِيبُ عَنْ زِيَادَةَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ

الْقُرْظِيُّ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عَبِيدِ بْنِ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ اشْتَكَيْ مِنْكُمْ شَيْئًا أَوْ اشْتَكَاهُ اخٌ لَهُ

فَلْيَقُلْ رَبَّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ أَمْرَكَ فِي السَّمَاءِ

وَالْأَرْضِ كَمَا رَحِمْتَكَ فِي السَّمَاءِ الْحَدِيثُ۔۔۔ اس حدیث کی سند میں

زیادہ بن محمد منکر الحدیث ہے۔ تہذیب التہذیب میں ہے۔ زیادہ بن محمد

الانصاری قال البخاری والنسائی و ابو حاتم منکر الحدیث۔۔۔۔

روی له ابو داؤد والنسائی حدیثا واحدا فی الرقیة من حصاة البول۔
قلت وقال ابن حبان منکر الحدیث جد ایروی المناکیر عن
المشاهیر فاستحق التبرک انتھی۔ سند میں ایسے منکر الحدیث روای کے
سبب سے مصنف نے بد تقدیر صحت حدیث جواب دیا ہے۔

۱۹۔ اوعال جمع ہے وعل کی جس کے معنی پہاڑی بکرے کے ہیں، یہاں مراد حاملان
عرش ہیں جو بشل اوعال ہیں۔ یہ حدیث ترمذی و ابو داؤد میں ہے۔ ترمذی میں یہ
حدیث تفسیر سورہ الحاقہ کے تحت میں یوں وارد ہے۔ ”حدیث بیان کی ہم سے عبد
بن حمید نے کہ خبر دی ہم کو عبد الرحمن بن سعد نے عمرو بن ابی قیس سے، اس
نے سماک بن حرب سے۔ اس نے عبد اللہ بن عمیرہ سے۔ اس نے احنف بن
قیس سے۔ اس نے عباس بن عبد المطلب سے، کہا عباس نے کہ میں بطحاء میں
(کفار کے) ایک گروہ میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ ان میں تشریف رکھتے
تھے۔ ناگاہ ان پر ایک بادل گزرا، انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھائی۔ رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس کا کیا نام ہے۔ وہ بولے کہ ہاں! یہ سحاب
ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور وزن۔ انہوں نے کہا: کہ وزن بھی کہتے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور عمان۔ انہوں نے کہا کہ عمان بھی بولتے ہیں۔ پھر
رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ آسمان اور زمین کے
درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ وہ بولے کہ نہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے۔ آپ نے
فرمایا: ان کا درمیانی فاصلہ ایک یا دو یا تین اور ستر سال کی راہ ہے اور اس سے
اوپر کے آسمان کا بھی اتنا ہی فاصلہ ہے یہاں تک کہ آپ نے اسی طرح سات
آسمان گن دیئے، پھر فرمایا: کہ ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے جس کے

اعلیٰ واسفل میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے اور اس کے اوپر آٹھ فرشتے بٹکل اوعال ہیں جن کے کھروں اور سرینوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے۔ پھر ان کی بیٹھوں پر عرش ہے جس کے اسفل و اعلیٰ کے درمیان وہی فاصلہ ہے جو ایک آسمان سے دوسرے تک ہے اور اللہ اس کے اوپر ہے۔ عبد بن حمید نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کیا عبدالرحمن بن سعد حج کا ارادہ رکھتا ہے؟ کہ اس حدیث کو میں اس سے سنوں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور ولید بن ابی ثور نے سماک سے بطور رفع ایسا ہی روایت کیا ہے اور شریک نے سماک سے اس حدیث کا ایک حصہ بطور موقوف نقل کیا ہے اور رفع نہیں کیا اور عبدالرحمن بیٹا ہے عبد اللہ بن سعد رازی کا۔ لے۔

متدرک حاکم میں تفسیر سورہ المائدہ کے تحت میں روایت شریک کو جو موقوف ہے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس حدیث کو سماک سے بطور رفع روایت کرنے والے شعیب بن خالد رازی اور ولید بن ابی ثور اور عمرو بن ثابت بن ابی المقدم ہیں۔ امام بخاری و مسلم نے ان میں سے کسی سے احتجاج نہیں کیا۔ پھر حاکم نے روایت شعیب کو اقرب ابی الاحجاج کہہ کر نقل کیا ہے۔ جس میں یحییٰ بن العطاء شعیب سے روایت کرنے والا ہے۔ علامہ ذہبی نے تلخیص متدرک میں یحییٰ مذکور کو ضعیف (دالہ) لکھا ہے اور روایت ولید کو اجود بتایا ہے۔

عبد اللہ بن عمیرہ جس سے تمام طریق میں سماک روایت کر رہا ہے۔ اس کا حال ذہبی نے میزان الاعتدال میں یوں لکھا ہے کہ عبد اللہ مذکور میں جہالت ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ اس کا سماع اصنف بن قیس سے غیر معروف ہے۔ حدیث مزین و عثمان کو سماک

کے پاس گئے، آپ کی بیوی تاڑ گئی۔ اس نے آپ کو ملامت کی۔ آپ نے انکار کیا حالانکہ بیوی نے آپ کا جماع دیکھا تھا۔ وہ بولی: اگر آپ سچے ہیں۔ تو قرآن پڑھئے، کیونکہ جنب کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں، اس پر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

شہدت بان وعد اللہ حق
وان النار مشوی الکافرینا
وان العرش فوق الماء حق
وفوق العرش رب العالمینا

یہ سن کر آپ کی بیوی نے جو قرآن پڑھی ہوئی نہ تھی، یوں کہا۔ اللہ سچا ہے، میری آنکھ جھوٹی ہے۔ لتے

یہ قصہ کتب محاضرات میں مذکور ہے۔ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا اور نہ کتب اہل حدیث میں سند متصل کے ساتھ خواہ ایک ہی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ اس کی سند غیر منقطع ایک بھی نہیں۔ استیعاب میں روینا ہا من وجوہ صحاح جو چھپا ہے اس میں کلام ہے۔ ناخ نے صحاح سے پہلے لفظ غیر سہواً چھوڑ دیا ہے۔ ورنہ ابن عبّاء کے بعد کسی کے نزدیک بطریق صحیح مروی ہوتا۔ علاوہ ازیں مضمون قصہ ہی بطلان کی دلیل ہے۔ ایک صحابی کی شان سے بعید ہے۔ کہ صحابیہ کو غیر قرآن ہونے کا وہم دلائے۔ ان سب امور کے قطع نظر فوق العرش میں فوقیت لمخاط علو و عظمت مراد ہوگی، نہ کہ لمخاط جت و مکان، جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

۲۳۔ یعنی اگر مدعی ان پر اعضاء جو قرآن مجید میں مذکور ہیں اقتصار نہ کرے، بلکہ تاویلات سے زیادتی و کمی کر دے۔ تو اس کا مذہب (مجرد ظواہر پر حمل کرنا) باطل

بن حرب نے اس سے اور اس نے حضرت عباس سے روایت کیا ہے اور سماک سے ولید بن ابی ثور نے اور ایک جماعت نے روایت کیا ہے اور یحییٰ بن علاء نے جو ضعیف ہے اپنے چچا شعیب بن خالد سے اور اس نے سماک سے روایت کیا ہے انتہی۔

تہذیب التہذیب میں عبد اللہ مذکور کے ترجمہ میں ہے کہ امام مسلم نے وجدان میں کہا کہ سماک اس حدیث کو عبد اللہ مذکور سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ یہ تو سند کا حال ہے۔ ابو بکر بن عربی نے سنن ترمذی کی شرح میں حدیث اوعال کی نسبت لکھا ہے وروی غیر ذلک ولم یصح شیئ منہ وانما ہی امور تلفت من اهل الکتاب لیس لنا اهل فی الصحۃ مطلب یہ ہے کہ یہ باتیں اسرائیلیات میں سے ہیں جو صحیح نہیں۔ کیا ایسی روایتوں سے صفات ثابت ہو سکتی ہیں؟ اگر ان سب امور سے قطع نظر کی جائے اور حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس کا جواب مصنف نے دے دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو تعلیم کن کی مقصود تھی۔ آپ نے بطور تمثیل طریق ترقی کو ملحوظ رکھا ہے۔ پہلے سحاب۔ پھر آسمان۔ پھر بحر۔ پھر اوعال۔ پھر عرش سے خالق عرش تک پہنچنے میں اور بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ علو و عظمت میں نہ کہ مکان و جہت میں سب سے اوپر اور وراء کل ہے۔

نمبر ۳ جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ کی طرف

ہے۔ ۱۳

۲۰۔ تقریب کہتے ہیں دلیل کو اس طرح لانا کہ مطلوب کو مستلزم ہو۔ جب مطلوب غیر

لازم اور لازم غیر مطلوب ہو تو تقریب تمام نہیں ہوتی۔ ۱۴

۲۱۔ متواطی اس کلی کو کہتے ہیں جس کا صدق اپنے افراد پر بالسویہ ہو۔ ۱۵

۲۲۔ اس صحابی کا قصہ استیعاب میں یوں مذکور ہے کہ ایک رات آپ اپنی ایک لونڈی

ہو جائے گا اور اس کے لئے دلائل عقل کا قبول کرنا ضروری ہو گا۔ ۱۲

۲۴۔ مجسم وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کو جسم سمجھتا ہے۔ ۱۲

۲۵۔ معطل وہ شخص ہے جو خدا تعالیٰ کو بے کار خیال کرتا ہے۔ ۱۲

(۲۶)۔ فرقہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات کا منکر ہے۔ ۱۲

(۲۷)۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب غنیۃ الطالبین میں یہ عبارت محققین کے

نزدیک الحاق ہے، کیونکہ اسی کتاب میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم نہیں اور

دوسری جگہ میں ہے۔ کہ اللہ عزوجل تمام جہات کا خالق ہے۔ بایں ہمہ آپ

ذات الہی کے لئے جہت کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ خدا جسمانی و مکانی نہیں، اس

کے لئے جہت کس طرح ہو سکتی ہے؟ ذات باری تعالیٰ محل حوادث نہیں بن

سکتی۔ اس کی پوری بحث ہم مرزا احمد علی رافعی امرتسری کی کتاب خروس جیلانی

کے جواب میں لائے ہیں، جواب تک غیر مطبوع ہے۔

(۲۸)۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب قبر میں منافق یا مرتاب سے سوال ہو گا۔ تو وہ

یوں کہے گا۔ لَا أَذَرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ۔ یعنی میں نہیں

جانتا، میں نے لوگوں سے سنا کہ کچھ کہتے تھے، سو میں نے وہی کہہ دیا۔ ۱۲

(۲۹)۔ جو ہر فرد سے مراد جزء لا یتجزی ہے جو متکلمین کے نزدیک قابل قسمت نہیں

ہوتا، مگر حکماء کے نزدیک قابل قسمت ہوتا ہے۔ ۱۲

(۳۰)۔ یہ اس صورت میں ہے کہ آیت میں وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ پر وقف ہو۔ مگر

جمہور کے نزدیک اللہ پر واقف ہے۔ ۱۲

(۳۱)۔ فقیر تو کلی دست بدعا ہے کہ اس ترجمہ کو بھی اصل کی طرف اللہ تعالیٰ شرف

قبولیت بخشے اور اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔ امین بجاہ حبیبہ الکریم رحمہ اللہ ۱۲۔